علمی و تحقیقی مجلّہ

ISSN 2221-1659

سہ ماہی

نور معرفت

حسن ظن و سوء ظن

ولایت فقیہ اور امام خمینیؒ

امام خمینیؒ کا اخلاقی مکتب

عصمت خاتم انبیاء علیہم السلام

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

رسول اکرم ﷺ کی بشری حقیقت: تحقیقی جائزہ

زید بن علی کی تحریک میں امام ابو حنیفہ کا سیاسی کردار

بسم الله الرحمن الرحيم

اہم گذارشات

☆ مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیرِ مجلّہ کے نام ارسال کریں۔

☆ بہتر ہے مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس/پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔
ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیرِ مجلّہ کو ای۔ میل کی جائے۔

☆ ممکن ہے ادارہ ہر شمارے کے لیے محققین کو اپنی طرف سے جدید تحقیق طلب موضوعات ارسال کرے۔ اس صورت میں دیے گئے موضوعات پر تحقیقات ارسال کی جائیں۔

☆ حواشی اور حوالہ جات کے لیے اصلی مآخذ اختیار کیے جائیں اور درج ذیل تفصیل کے ساتھ مضمون کے آخر میں لگائے جائیں:

کتاب کا نام: ---------- مصنف کا نام: ---------- مطبع: ----------

سن طباعت: ---------- جلد نمبر ---------- صفحہ نمبر: ----------

☆ مجلّہ نور معرفت میں: علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ اور اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تربیت، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات شایع کئے جاتے ہیں۔

☆ مجلّہ نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں مجلّہ ہذا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ علمی کتابوں پر تبصرے کے لیے مدیر مجلّہ کو کتابوں کی دو کاپیاں ارسال کی جائیں۔

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۷
	مقالہ جات		
۲	رسول اکرم ﷺ کی بشری حقیقت؛ تحقیقی جائزہ	سید عباس حیدر زیدی	۹
۳	حضرت امام علی نقی علیہ السلام	ڈاکٹر شیخ محمد حسنین	۲۶
۴	زید بن علی کی تحریک میں امام ابو حنیفہؒ کا سیاسی کردار	سید حیدر عباس واسطی	۴۱
۵	حسن ظن وسوء ظن	سید مزمل حسین نقوی	۵۴
۶	ولایت فقیہ اور امام خمینیؒ	سید حسنین عباس گردیزی	۶۵
۷	امام خمینیؒ کا اخلاقی مکتب	سید رمیز الحسن موسوی	۸۴
۸	عصمت خاتم انبیاء ﷺ	سید ثاقب اکبر	
۹	Abstract		۱۳۴

اہلِ قلم سے اپیل

سہ ماہی ''نور معرفت'' ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ جریدہ تمام یونیورسٹیوں اور مدارس کے اساتذہ اور طلاب کا اپنا جریدہ ہے۔ لہٰذا اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء مددگار ثابت ہوں گی۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کیلئے ارسال کریں۔ آپ کی تحقیقی اور علمی تحریروں کا استقبال کیا جائے گا۔ تمام تحریریں، فرقہ وارانہ مواد سے پاک اور علمی حوالوں سے مزین ہونی چاہییں۔

مدیر

سہ ماہی مجلّہ ''نورِ معرفت''

''نمت'' ایک نظر میں

''نمت'' (نور الہدیٰ مرکز تحقیقات) نور الہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو علماء اور دانشوروں کی ایک پانچ رکنی علمی کمیٹی کی نگرانی میں فعالیت کر رہا ہے۔ اس ادارے کا نصب العین اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم اور بالخصوص ملت تشیع کو فکری پسماندگی سے نجات دلا کر اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔

پاکستان کی ملت مسلمہ کی بنیادی مشکل دینی آگہی اور اجتماعی شعور کی کمی ہے۔ لہٰذا دینی بصیرت و آگہی کو فروغ دینے اور اجتماعی شعور بیدار کرنے والی کتب کی تألیف، ترجمہ اور اشاعت اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج، نیز انہی اہداف کے حصول کیلئے ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی مجلّہ '' نور معرفت '' کی اشاعت، ''نمت'' کے عمدہ اہداف شمار ہوتے ہیں۔

''نمت'' اپنی فعالیت کے تقریبا پانچ سالوں میں قابل ذکر مطبوعات علمی حلقوں کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ حیات فاطمہ، تعلیم الاحکام، امام خمینی کی ایک مغربی دانشور سے ملاقات، حضرت زینب، تاریخ کا ایک ناگزیر کردار، اسلامی پردہ، سول سوسائٹی، امام خمینی کا سیاسی نظریہ، قرآن اور نفسیاتی دباؤ، معجزہ کیا ہے اور پیام قرآن کی آخری تین جلدوں کا ترجمہ اس ادارے کی اب تک کی عمدہ مطبوعات ہیں۔

اس کے علاوہ سہ ماہی ''نور معرفت'' کی چار سال سے مسلسل اشاعت بھی ''نمت'' کا ایک عمدہ کارنامہ ہے۔ ''نمت'' قرآن و حدیث، فلسفہ و کلام، اخلاق و عرفان اور دیگر متنوع موضوعات پر مکتب اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات کی روشنی میں اردو زبان میں بہتر سے بہتر لٹریچر پیش کرنے کیلئے کوشاں ہے اور اسے اس نیک کام میں ملت مسلمہ کے عوام و خواص کے تعاون کی ضرورت ہے۔

اداریہ

علم و معرفت نور ہے اور انسانی معاشروں میں مادیت کی تاریکی کو ختم کرنے کے لئے علم و معرفت کی روشنی پھیلانے والی کتب اور جرائد ایک ایسے چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر مادیت کی تاریکیاں معاشروں کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لے جاتی ہیں۔ جن معاشروں میں علمی کتب و جرائد سے لگاؤ عام ہوتا ہے وہاں نہ تو مادیت کے جراثیم پھیل سکتے ہیں اور نہ مادہ پرست طاغوتی طاقتیں اپنے منحوس سائے پھیلا سکتی ہیں۔ نور معرفت کے اجراء کا ایک مقصد یہی تھا کہ پاکستانی معاشرے میں مادیت کے اس تاریک دور میں علم و معرفت کے چراغ روشن رکھیں جائیں اور قرآن و اہل بیت اطہارؑ کے نور سے استفادہ کرتے ہوئے معاشرے کو مادیت کی تاریکی اور طاغوتیت کے عفریت سے بچایا جاسکے۔

پاکستان میں اس وقت بہت سے علمی و دینی جرائد شائع ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں پچھلے پانچ سال سے ''نورِ معرفت'' بھی علمی و دینی جرائد کی صف میں اپنا ایک نام پیدا کر چکا ہے اور خالص محمدی ﷺ اسلام کی ترجمانی میں مکتب قرآن و عترتؑ کے علمی چراغ سے استفادہ کرتے ہوئے ضوفشانی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

''نورِ معرفت'' کے موجودہ شمارے میں رسول اکرم ﷺ کی بشری حقیقت کے بارے میں ایک تحقیقی جائزہ کے عنوان سے ایک وقیع تحقیق پیش کی جارہی ہے۔ جس میں کلام اسلامی کے ایک اہم مسئلے کو بہت خوبصورت انداز میں حل کیا گیا ہے۔ نیز اسی مسئلہ سے مربوط ایک اور اہم مسئلہ، یعنی حضرت ختمی مرتبت ﷺ کی عصمت کا مسئلہ بھی اس شمارہ میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ دونوں مقالے اپنے مطالب کے لحاظ سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی ابلاغ رسالت میں بے چون وچرا حیثیت کو ثابت کرتے ہیں۔ ان مقالات کے مطالعہ کے بعد قاری پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے نہ سہو و نسیان سرزد ہوتا ہے، نہ کسی قسم کی خطا و لغزش۔

گذشتہ ماہ کی ایک اہم مناسبت حضرت امام علی نقیؑ کی ولادت و باسعادت اور شہادت کی مناسبت تھی جو ماہ رجب المرجب کی تین اور پانچ تاریخ بنتی ہے۔ اسی مناسبت سے امام علی نقیؑ کی سیرت و تاریخ کے حوالے سے

ایک مقالہ قارئین کی نذر کیا جارہا ہے جو یقیناائمہ معصومینؑ کی سیرت وتاریخ کے بارے میں ہماری معرفت و ادراک میں اضافے کا باعث بنے گا۔

اس کے ساتھ ہی خانوادہ رسول ﷺ کے نامور سپوت جناب زید بن علیؑ کی اُموی استبداد کے خلاف جدو جہد کے بارے میں ایک اہم تاریخی سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت زید بن علیؑ کی تحریک میں امام ابو حنیفہؒ کے سیاسی کردار کا عنوان یقیناتاریخ اسلام کے طالب علم کے لئے ایک اہم سوال ہے جس کا جائزہ اس مقالے میں پیش کیا جارہا ہے۔ اخلاقیات کا موضوع بھی ہمارے معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ''حسن ظن'' اور '' سوء ظن'' کے عنوان سے ایک بہت ہی اہم معاشرتی بیماری کے بارے میں اسلامی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔

جون کا مہینہ عالم اسلام کے ایک عظیم لیڈر اور احیائے اسلام کی تحریک کے سید و سردار حضرت امام خمینیؒ کی وفات حسرت آیات کا مہینہ ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کو عالم اسلام سے جدا ہوئے ۲۳ سال ہو چکے ہیں لیکن حضرت امامؒ کے عظیم سیاسی کردار کے اثرات سے آج بھی نہ صرف پوری دنیائے اسلام بہرہ مند ہو رہی ہے۔ پوری دنیا کے مستضعفین کے درمیان آزادی اور استقلال کی تحریکیں شروع ہو چکی ہیں۔ آج ظلم واستبداد کے خلاف جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے یہ کبھی بھی نہ ہوتا اگر خمینی کبیرؒ کی قیادت میں عصر حاضر کے طاغوتوں کے رعب ودبدبے کی دیواریں نہ گرائی جاتیں۔

اسی مناسبت سے '' نور معرفت '' کے اس شمارے میں حضرت امام خمینیؒ کی نورانی تعلیمات پر مشتمل چند مقالات پیش کیے جارہے ہیں۔ حضرت امامؒ کی احیاء کردہ اسلام میں حکومتی تھیوری یعنی '' ولایت فقیہ '' کی وضاحت پر ایک مقالہ قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امامؒ کے اخلاقی مکتب کے بارے میں ایک جاندار تحریر بھی پیش خدمت ہے جو اخلاق و عرفان سے لگاؤ رکھنے والے قارئین کے لئے بہترین ہدیہ ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ نور معرفت کا یہ شمارہ بھی پہلے شماروں کی طرح اہل معرفت کے علم وادراک میں اضافے کا باعث بنے گا اور تاریکیوں کے اس ہجوم میں نور افشانی کرے۔ ہمیں اپنے قارئین کے قیمتی مشوروں اور تنقیدی آراء کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔ آپ کا ایک خط، ای میل، فون اور ایس۔ایم۔ایس ''نور معرفت'' کی ٹیم کی حوصلہ افزائی میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی بشری حقیقت: تحقیقی جائزہ

سید عباس حیدر زیدی*

رسول اللہ ﷺ کی بشری حقیقت کے بارے میں مسلمانوں میں دو متضاد رائے پائی جاتی ہیں۔ ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت وحی کو پہنچانے کی حد تک تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک عام انسان تھے۔ چنانچہ عام انسانوں کی طرح ان سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی تھیں۔ جبکہ ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت صرف وحی پہنچانے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ ہر طرح سے ایک کامل انسان تھے کہ جن سے کوئی غلطی ہر گز سرزد نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا کہ:

"قُلْ اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى اِلَيَّ أَنَّمَا اِلَهُكُمْ اِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔" (1)

یعنی: "آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو، اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔"

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے انسان کی صورت میں مبعوث کیا تھا۔ ان میں اور عام انسانوں میں وحی کا فرق تھا جو کہ ان پر نازل ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کی اپنی نفسانی خواہشات کی بھی نفی کرتی ہے۔ ایک اور آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے:

---

*۔ محقق، مدیر سہ ماہی مجلّہ نور معرفت، اسلام آباد۔

"قُلْ اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ اِلَيَّ أَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ۔" (2)
یعنی: "آپ کہہ دیجئے! میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں۔ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے۔ سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی مانگو اور ان مشرکوں کے لئے (بڑی ہی) خرابی ہے۔"
رسول اللہ ﷺ اس حوالے سے بشر تھے کہ آپ بھی عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کیں۔ آپ عام انسانوں کی طرح کھاتے، پیتے، سوتے اور جاگتے تھے۔ عام انسانوں کی طرح کھانے، پینے، سونے اور جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ میں انسانی خصوصیات پنہاں تھیں۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ بشریت کے تقاضے کے تحت آپ سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی تھیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا کہ:
"وَاِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَائَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي اِنْ أَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيَّ اِنِّي أَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ۔" (3)
یعنی: "اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھیں جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ ﷺ یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔"
اس آیت میں جملہ "اِنْ أَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيَّ" کے ضمن میں معروف مفسر قرآن فخر الدین رازی کہتے ہیں:
"اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وحی کے علاوہ نہ کوئی حکم دیتے تھے اور نہ کبھی بھی اپنی رائے واجتہاد پر عمل کرتے تھے۔" (4)
اگر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو احادیث کی اہم کتابوں میں ایک عام انسان کی طرح غلطیاں کرتے دکھایا گیا ہے۔ جس سے نا صرف رسول اللہ ﷺ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے بلکہ غیر مسلمین کو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو داغ دار کرنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ صحیح مسلم میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر لوگوں نے کھجوریں

اسی طرح کاشت کیں کہ جیسے انھوں نے حکم دیا تھا تو اس سال کھجوریں خراب ہو گئیں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ" (5)

یعنی: "تم اپنے دنیاوی کاموں کے بارے میں مجھ سے بہتر جانتے ہو۔"

یہی حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں رقم کی ہے۔(6)

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیاوی امور سے ناواقف تھے اور دوسرے لوگ ان سے بہتر طور پر واقفیت رکھتے تھے۔ اس کے خطرناک نتائج یہ برآمد ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کے امور کو دینی اور دنیوی دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس طرح اس کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ دین انسانوں کے اجتماعی معاملات اور دنیاوی مسائل سے الگ ہے جبکہ یہی فکر دین اور سیاست میں جدائی ڈالتی ہے اور دین کو محدود دائرے میں قید کرتی ہے۔ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي۔"

یعنی: "میں تم جیسا ہے بشر ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، جب میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلایا کرو۔"

اس حدیث کے منابع پر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث احادیث کی اہم کتابوں صحیح بخاری (7)، صحیح مسلم (8)، مسند احمد بن حنبل (9)، سنن ابی داؤد (10)، سنن ابن ماجہ (11)، سنن دارمی (12)، میں موجود ہے۔ البتہ اس حدیث کا واقعاتی پس منظر تاریخ اسلام کی اہم کتابوں تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، الکامل فی التاریخ، البدایہ والنہایہ، مروج الذہب، المختصر فی اخبار البشر اور تاریخ خلفاء میں نظر نہیں آتا۔ نہ ہی یہ حدیث سیرت کی اہم کتابوں سیرۃ حلبیہ، السیرۃ النبویۃ۔ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام، دلائل النبوۃ۔ بیہقی، المغازی، الواقدی، الروض الانف میں نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی ایسا واقعہ رونما ہوا ہوتا کہ جس میں رسول اکرم ﷺ کا مندرجہ بالا فرمان ہوتا تو اس کی موجودگی تاریخ اسلام اور خاص طور پر سیرت کی کتابوں میں بھی ہونی چاہئے تھی۔

بعض روایات ایسی ہیں کہ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی آیات بھول جایا کرتے تھے اور صحابہ انھیں وہ آیات یاد دلایا کرتے تھے۔ جیسے صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ :

"حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالاَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم سَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ «يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً كُنْتُ أَسْقَطْتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا۔" (13)

یعنی: "آپ نے ایک مسلمان کے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی تو فرمایا: "خدا رحمت کرے۔ اس شخص نے مجھے وہ آیات یاد دلادیں، جنھیں میں بھول چکا تھا اور قرآن کے فلاں سورے سے ساقط کر دیتا تھا"۔

یہی حدیث صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے اس طرح بیان کی گئی ہے کہ :

"حدثنا ربیع بن یحیی حدثنا زائدۃ حدثنا ھشام عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت: سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقرأ فی المسجد فقال (لقد أذکرنی کذا و کذا آیۃ من سورۃ کذا" (14)

اس روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن بھی بھول جاتے تھے جبکہ یہ روایت قرآن مجید کی آیات سے ٹکراتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ: "سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى" یعنی: "ہم تمھیں قرآن پڑھادیں گے اور تم اسے نہیں بھولوگے۔" (15) جب اللہ خود رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہا ہے کہ وہ اپنے نبی کو قرآن یاد کرادے گا تو پھر بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح مذکورہ روایت میں بھی نبی اکرم ﷺ کی شان میں توہین کی گئی ہے اور ساتھ ہی انھیں ایک عام انسان کی مانند بھول چوک والا انسان بتایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اگر بشر تھے تو اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں تھا کہ ان سے بھول چوک ہو جایا کرتی تھی۔

کچھ احادیث ایسی بھی ہیں کہ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز چار رکعات پڑھانے کے بجائے دو رکعات پڑھیں اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے جب یہ بتایا کہ آپ نے دو رکعات نماز پڑھی ہے تو آپ نے پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ :

"عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدی صلاتی العشی قال محمد وأکثر ظنی العصر رکعتین ثم سلم ثم قام الی خشبۃ فی مقدم المسجد فوضع یدہ علیھا وفیھم أبو بکر

وعمر رضی اللہ عنہ ھما فھابا أن یکلماہ وخرج سرعان الناس فقالوا أقصرت الصلاۃ ؟ و رجل یدعوہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذا الیدین فقال أنسیت أم قصرت ؟ فقال (لم أنس ولم تقصر) ۔ قال بلی قد نسیت۔ فصلی رکعتین ثم سلم ثم کبر فسجد مثل سجودہ أو أطول ثم رفع رأسہ فکبر ثم وضع رأسہ فکبر فسجد مثل سجودہ أو أطول ثم رفع رأسہ وکبر" (16)

یعنی: " ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ زیادہ خیال میرا یہ ہے کہ وہ نماز عصر تھی۔ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر کر نماز ختم کر دی۔ پھر آپ ایک لکڑی کے پاس جو مسجد کے اگلے حصہ میں تھی کھڑے ہوئے اور دست مبارک اس پر رکھا، نمازیوں میں ابوبکر بھی تھے اور عمر بھی۔ انھیں رعب نبوت مانع ہوا کہ کچھ بول سکیں۔ لوگ بہ عجلت صف سے باہر نکل آئے۔ لوگوں نے پیغمبر ﷺ سے عرض کی۔ آپ نے نماز قصر پڑھی ہے کیا؟ ایک شخص جسے پیغمبر ذوالیدین کہہ پر پکارتے تھے۔ اس نے پوچھا کہ آپ نماز میں بھول گئے یا عمداً قصر پڑھی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ میں بھولا، نہ نماز قصر ہوئی، اس نے کہا نہیں بلکہ آپ بھول گئے۔ اس پر پیغمبر نے پھر دو رکعتیں پڑھیں، سلام پڑھا اور تکبیر کہہ پر سجدہ سہو کیا۔"

یہی حدیث صحیح مسلم میں موجود بھی ہے۔ (17) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سجدہ سہو کے باب میں اس کے علاوہ بھی کئی احادیث موجود ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ کے ان واقعات کا بیان ہے کہ جن میں وہ نماز کی رکعات بھول گئے اور دوسرے لوگوں نے انہیں یاد دلایا۔ مندرجہ ذیل احادیث میں بھی یہی ارشاد ملتا ہے کہ " قال انما انا بشر" ۔ یعنی میں بھی تم جیسا انسان ہوں۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات میں جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ کو خطا کرتے دکھایا گیا ہے وہاں وہاں اس بات کا بیان بھی موجود ہے کہ میں بھی تم جیسا ہی بشر ہوں۔ دوسرے الفاظ میں روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی سہو، نسیان کا امکان ممکن ہے۔

محمد بن عبدالوہاب " مختصر زاد المعاد "میں فصل "آنحضرتؐ کے سجدہ سہو کا طریقہ "میں اسی حدیث کو بنیاد بناتے ہیں کہ "میں تم جیسا ہی بشر ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو، اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں، جب میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلایا کرو"۔ (18) پھر وہ کہتے ہیں: "آپؐ کا سجدہ سہو دراصل

امت کے لئے ایک نعمت اور کمال دین کا سبب ہے تاکہ سہو کا جو طریقہ مشروع ہوا، اس میں آپ کی اقتداء کریں"۔ (19) اس کے بعد وہ پانچ ایسی روایات بیان کرتے ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ نماز میں رکعات بھول گئے اور دوسرے لوگوں نے انھیں یاد دلایا۔

تاریخ کے خاص موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی جب لوگوں نے خلاف ورزیاں کیں تو ان کے جواز کے لئے اسی بات کا سہارا لیا گیا ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان بھی تھے، لہٰذا ان سے خطاء بھی ہو سکتی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "حجتہ الاللہ البالغہ" میں ان تمام مقامات پر کہ جہاں صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کیا، اسے "علم اسرار الدین" کا نام دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "حجتہ اللہ البالغہ" (باب ۷۵، علوم نبوی کی اقسام) میں رسول اللہ ﷺ کے امور کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (20)

۱۔ وہ امور جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ وہ امور جن کا تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں۔

شاہ ولی اللہ نے ان امور کے متعلق کہ جن کا تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں، رسول اللہ ﷺ کا وہی ارشاد رقم کیا ہے کہ: میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں، پس میں انسان ہوں۔ (21)

اسی لئے علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب الفاروق میں یہ بحث کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض افعال منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے اور بعض افعال بشری نوعیت کے حامل تھے۔ شبلی نے حضرت عمر کے حوالے سے کہا ہے کہ: "وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے "علم اسرار الدین" کی بنیاد ڈالی۔" (22) شبلی نے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے احادیث میں جو فرق بتایا، اس کے موجد دراصل حضرت عمر ہی ہیں۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمر نے جو جو اختلافات کیے، ان کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ شبلی کی بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے کے کئی امور میں مداخلت کی تھی یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کچھ ہوتا تھا اور حضرت عمر کا کچھ اور ہوتا تھا، چنانچہ طٰہٰ حسین مصری کہتے ہیں کہ:

جس وقت حضرت عمر اپنی رائے کو صحیح سمجھ لیتے تھے کمال جرات کے ساتھ اسے پیش کرتے تھے۔اور رسالت مآب ﷺ تک سے اختلاف رائے کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔(23)

چونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی متعدد بار خلاف ورزیاں کیں لہٰذا اسی بات کو ان کی فضیلت میں شمار کیا گیا اور اسی لئے یہ اصول بنایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ افعال کہ جہاں صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزیاں کیں ، اسے بشری حیثیت کا حامل قرار دے کران کی نافرمانی رسول کی توجیہہ کی جاسکے۔ شبلی رسول اکرم ﷺ کی وفات کے موقع پر کہتے ہیں :

لوگوں نے دوا پلانی چاہی، چونکہ گوارانہ تھی آپ نے انکار فرمایا، اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی، لوگوں نے منہ کھول کر دواپلادی۔افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے۔۔۔۔ محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضاء تھا، یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے ۔آپ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔(24)

گویا شبلی نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا عمل انجام دیا تھا۔ محدثین نے تو یہ توجیہہ کی کہ " بشریت "کا تقاضا یہی تھا کہ بیماری میں تنک مزاجی آگئی اور شبلی کے نزدیک یہ "لطف طبع" تھا۔ شبلی نے لفظوں کی ادائیگی بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے اس عمل میں چونکہ خامی نظر آتی ہے کہ انھوں نے دوا کی ناگواری کے سبب ایسا کیا کہ سب ہی کو زبردستی دوا پلادی لہٰذا اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے بجائے محدثین نے اسے تقاضائے بشریت اور تنک مزاجی کا نام دیا اور شبلی نے لطف طبع کا لیکن تحقیق کی جائے تو ایسی روایت کہ جہاں رسول اللہ کی توہین ہورہی ہو وہاں روایت کو ہی ضعیف کہنا چاہئے ، لیکن شبلی نے ایسا نہیں کیا ہے اور محض لفاظی سے محدثین کی ہمنوائی اس صورت میں کی ہے کہ روایت کو قبول کیا ہے اور مخالفت اس صورت میں کی ہے کہ اپنی رائے محدثین کی رد میں پیش کی ہے۔

شبلی نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی سیرت میں جس حیثیت سے پیش کیا ہے، اس بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا یہ کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے: انھوں نے آنحضرت کو ان کی جامعیت کبریٰ کے باوجود انسان اور بشر ہی تصور کیا ہے اور اسی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شبلی نے آپ کو بشر نبی ایک

''عقل مند'' نبی تصور کیا ہے۔ اگرچہ آپ کی ذات روحانیت کامل اور نزاہت اور پاکیزگی کا ارفع اور اکمل نمونہ بھی تھی۔ بشریت اور معقولیت کا یہ رجحان دبستان سر سید کا مشترک رجحان ہے۔(25)

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کی بنا پر ان سے خطاء ہو جانے کا سہارا لے کر ان لوگوں کے لئے بھی راہ نکالی گئی کہ جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی تھی۔اس حوالے سے بعض احادیث بھی رسول اللہ ﷺ سے منسوب کی گئیں۔امام مسلم نے اس کے لئے باقاعدہ عنوان قرار دیا ہے:

'' باب مَنْ لَعَنَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَوْ سَبَّهُ أَوْ دَعَا عَلَيْهِ وَلَيْسَ هُوَ أَهْلاً لِذَلِكَ كَانَ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا وَرَحْمَةً۔ ''(26)

یعنی: ''وہ لوگ جن پر رسول نے لعنت کی اور وہ مستحق لعنت نہ تھے۔۔۔۔۔۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' اللَّهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُسْلِمِينَ لَعَنْتُهُ أَوْ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا۔ ''(27)

یعنی: '' خدا وندا! میں ایک انسان ہوں۔پس اگر میں کسی مسلمان پر نفرین کروں تو تُو اسے اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دینا۔''

اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ:

'' أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيهِ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ آذَيْتُهُ شَتَمْتُهُ لَعَنْتُهُ جَلَدْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلاَةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ''

یعنی: '' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بارالہا! میں تجھ سے ایک ہمیشہ برقرار رہنے والا معاہدہ کرتا ہوں جسے تو ہر گز نہیں توڑے گا۔تو جانتا ہے کہ میں ایک انسان ہوں لہٰذا اگر میں کسی مومن کو تکلیف پہنچاؤں، اسے بُرا بھلا کہوں، اسے تازیانہ ماروں یا اس پر لعنت کروں تو میرے اس فعل کو اس کے لئے رحمت، پاکیزگی اور اپنے قرب کا ذریعہ قرار دے تاکہ قیامت کے دن اسے اس کے وسیلے سے تیرا قرب حاصل ہو۔'' (28)

یہی روایت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں (29)، دارمی نے اپنی سنن میں (30)، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں (31)، جلال الدین سیوطی نے جامع الصغیر میں (32) اور مقریزی نے امتاع الاسماع میں (33)، بیان کی ہے۔ ان احادیث میں ایک خاص بات جو بیان کی گئی ہے کہ رسول نے خود کو ایک ایسا بشر بتایا ہے کہ جن سے غلطیاں بھی سرزد ہو سکتی ہیں اور جو جو غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ چار امور انجام دے سکتے ہیں۔

۱۔ مؤمن کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ ۲۔ اسے بُرا بھلا کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ اسے تازیانہ مار سکتے ہیں۔　۴۔ اس پر لعنت کر سکتے ہیں۔

ان احادیث سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں، وہ اس طرح سے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی عام انسانوں کی طرح بغیر کسی سبب کے غصہ ہو جاتے تھے اور مومنین کو اذیت دیتے اور برا بھلا کہا کرتے تھے۔ جبکہ ایسی احادیث کی سیرت کے صریح خلاف ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا، اس کے تحت اس بات کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ آپ خلاف عقل کوئی کام کریں۔ کیونکہ آپ ہی منبع شریعت تھے۔

قرآن کا واضح ارشاد ہے کہ " وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۔ " یعنی: "اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔" (34) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بغیر وحی کے کلام نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: " وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ " یعنی: " غصہ پینے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔" (35) اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا" یعنی: "اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے"۔ (36) اسی طرح قرآن میں ہے کہ: "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ" یعنی: " اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔" (37) اس جیسی متعدد آیات رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ اگر وہ کسی پر لعنت کریں تو وہ اس کے لئے رحمت قرار پائے، اس آیت کے متصادم ہے کہ جہاں اللہ ارشاد فرما رہا ہے:

''فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَائَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَائَنَا وَأَبْنَائَكُمْ وَنِسَائَنَا وَنِسَائَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ''

یعنی: ''اس لئے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلالیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔'' (38)

اس آیت کی رو سے تو جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو گی لیکن اگر مذکورہ حدیث کو صحیح سمجھا جائے تو یہی لعنت ان کے لئے بھی رحمت بن جائے گی، جبکہ اصولی طور پر قرآن کی رو سے ان پر خدا کی لعنت ہی ہو گی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ کے بہت سے اقوال ہیں کہ جن میں آپ نے اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔''

یعنی: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (39)

صحیح مسلم میں ایک باب یہ بھی ہے کہ:

''باب فَضْلِ مَنْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَبِأَيِّ شَيْئٍ يَذْهَبُ الْغَضَبُ'' (40)

اس میں یہ حدیث ملتی ہے کہ:

''قَالَ قُلْنَا الَّذِي لَا يَصْرَعُهُ الرِّجَالُ۔ قَالَ «لَيْسَ بِذَلِكَ وَلَكِنَّهُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ'' (41)

امام بخاری نے ایک باب اس مخصوص عنوان کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ

''بَاب لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا''

''نبی نہ گالی دیتے تھے اور نہ ہی آپ بد خلق تھے۔'' (42)

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جب کچھ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو ''السلام علیکم'' کے بجائے ''اسام علیکم'' کہا یعنی تمہارے اوپر موت ہو تو حضرت عائشہ نے بھی یہی جواب دیا جسے سن کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کیا اور کہا:

'' قال۔ أولم تسمعي ما قلت؟ رددت عليهم فيستجاب لي فيهم ولا يستجاب لهم في''

یعنی: ''کیا تم نہیں جانتی کہ اگر میں ان لوگوں کے لئے بد دعا کروں تو میری بد دعا قبول ہو جائے گی لیکن ان کی بد دعا میرے حق میں ذرہ برابر بھی اثر نہیں کرے گی۔'' (43)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لئے بد دعا کریں تو خدا ان کی بدعا کو قبول فرمالے گا۔اسی طرح امام مسلم نے بھی اس ضمن میں متعدد احادیث نقل کی ہیں۔انھوں نے اپنی کتاب کے ''باب النَّهْيِ عَنْ لَعْنِ الدَّوَابِّ وَغَيْرِهَا ''میں ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نا صرف گالیاں دینے سے منع کیا بلکہ حیوانوں کو بھی گالیاں دینے سے منع کیا۔(44)

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں اور خاص طور پر بنو امیہ پر لعنت کی تھی۔ اسی لئے ایسی روایات گھڑی گئیں کہ جس سے رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے لئے جو لعنت فرما گئے تھے ،وہ ان کے لئے رحمت بن جائے۔

امام مسلم نے''باب مَنْ لَعَنَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم''میں ہی امیر شام کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی رقم کیا ہے کہ '' لا أشبع الله بطنه'' (45) گویا امام مسلم یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے امیر شام پر لعنت کی لیکن یہ لعنت ان کے لئے رحمت بن گئی۔اسی حدیث کو جواز بنا کر شمس الدین الذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں امام نسائی کے حوالے سے رقم کیا ہے کہ جب کچھ لوگوں نے ان سے آکر کہا کہ آپ امیر شام کے فضائل کیوں نہیں لکھتے تو انھوں نے کہا: اُن کی کون سی فضیلت بیان کروں کیا حدیث '' اللهم لا تشبع بطنه '' نقل کروں۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اگرچہ امام نسائی اس حدیث کو امیر شام کی مذمت میں سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک یہ حدیث اُن کی فضیلت کا باعث ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی لعنت اس شخص کو شامل ہی نہیں ہوتی جو اصلًا اس کا مستحق ہی نہ ہو۔اس کے بعد ذہبی رسول اللہ ﷺ کا یہی ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

'' اللهم من لعنته أو شتمته فاجعل ذلك له زكاة ورحمة''(46)

یعنی: ''خدایا! میری لعنت وملامت ایسے شخص کے حق میں جو اس کا مستحق نہ ہو رحمت میں بدل دے اور میری لعنت وملامت کو اس کے لئے گناہوں کا کفارہ بنا دے۔''

یعنی ذہبی نے امام نسائی کی تردید کی اور امیر شام پر لعنت والی حدیث کو اس کی فضیلت میں شمار کیا۔امام حاکم نے اپنی صحیح المستدرک ،کتاب الفتن والملاحم، میں ایسی روایات نقل کی ہیں کہ جن میں رسول اللہ ﷺ نے بنوامیہ اور ان کے لوگوں پر لعنت فرمائی تھی۔ہم ان میں سے چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

" أن رسول الله ﷺ صلى الله عليه و سلم قال: انى أريت فى منامى كأن بنى الحكم بن أبى العاص ينزون على منبرى كما تنزو القردة قال فما رؤى النبى صلى الله عليه و سلم مستجمعا ضاحكا توفى هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه۔ تعليق الذهبى ق التلخيص: على شرط مسلم"

یعنی: " رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ حکم بن العاص کی اولاد آپ کے منبر پر اچک پھاند کر رہے ہیں جس طرح بندر اچکتے ہیں اور لوگوں کو اُلٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹائے لیے جارہے ہیں۔اس خواب کا پیغمبر پر اتنا عظیم اثر ہوا کہ پھر آپ مرتے مرتے کبھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں پائے گئے۔" (47)

امام حاکم نے اس حدیث کو لکھنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کے معیار پر صحیح ہے۔علامہ ذہبی نے بھی اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

" قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول: اذا بلغت بنو أمية أربعين اتخذوا عباد الله خولا و مال الله نحلا و كتاب الله دغلا۔" (48)

یعنی: " جب بنوامیہ ۴۰ کی تعداد تک پہنچ جائیں گے تو بندگان خدا کو غلام ،مال خدا اور کتاب خدا کو ذریعہ فریب بنائیں گے۔"

امام حاکم کہتے ہیں کہ :

" قال: كان لا يولد لأحد مولود الا أتى به النبى صلى الله عليه و سلم فدعا له فأدخل عليه مروان بن الحكم فقال: هو الوزغ ابن الوزغ الملعون ابن الملعون۔ هذا حديث صحيح الاسناد و لم يخرجاه۔"

یعنی: "جب مروان بن حکم پیدا ہوا تو یہ آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: "یہ چھپکلی ہے چھپکلی کا بیٹا، ملعون ہے ملعون کا بیٹا۔" (49)

اسی طرح حضرت عائشہ نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے، جس میں یہ فقرہ بھی ہے:

" فبلغ عائشة رضی الله عنها فقالت: کذب و الله ما هو به ولکن رسول الله صلی الله علیه و سلم لعن أبا مروان و مروان فی صلبه فمروان فضض من لعنة الله عزو جل۔ هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه۔ تعلیق الذهبی فی التلخیص: فیه انقطاع۔" (50)

یعنی: " رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ پر لعنت فرمائی اور مروان ابھی باپ کے صلب میں تھا (حضرت عائشہ نے کہا) تو مروان نے بھی خدا کی لعنت کا پورا حصہ پایا۔"

شعبی عبداللہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں:

" أن رسول الله صلی الله علیه و سلم لعن الحکم و ولده۔ هذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاه۔"

یعنی: " حضرت رسول اللہ ﷺ نے حکم اور حکم کی اولاد پر لعنت فرمائی۔" (51)

امام حاکم نے اپنی صحیح المستدرک، کتاب الفتن والملاحم میں ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد بنو امیہ کے بارے میں جو جملے کہے، وہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

" لیعلم طالب العلم أن هذا باب لم أذکر فیه ثلث ما روی وأن أول الفتن فی هذه الأمة فتنتهم ولم یسعنی فیما بینی وبین الله أن أخلی الکتاب من ذکرهم۔"

یعنی: " اس باب میں جتنی حدیثیں موجود ہیں میں نے ایک تہائی بھی ذکر نہیں کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امت اسلام میں بنی امیہ کا فتنہ پہلا فتنہ تھا۔ اس کے بعد امام حاکم تحریر کرتے ہیں کہ چونکہ خدا کو ایک نہ ایک دن منہ دکھانا ہے بنی امیہ اور ان کے متعلق پیغمبر کے ارشادات کچھ نہ کچھ درج کتاب کرنے ہی پڑے۔ بغیر ذکر کیے کوئی چارہ کار نہ تھا۔" (52)

غرض رسول اکرم ﷺ نے جن احادیث میں بنو امیہ کے خلاف جملے ادا کئے، ان کی توجیہہ کے لئے ہماری تحقیق کے مطابق ایسی روایات وضع کی گئیں کہ رسول اکرم ﷺ سے بشریت کے تقاضے سے تحت غلطیاں بھی سرزد ہوتی تھیں یا انھوں نے جن لوگوں پر لعنت کی، وہ ان کے لئے رحمت بن گئی، جبکہ ایسا ہونا نہ قرآن کے حوالے سے صحیح ہے اور نہ ہی عقل اسے تسلیم کرتی ہے۔

ہم نے یہاں رسول اکرم ﷺ کی بشری حیثیت کے متعلق مختلف حوالوں سے بحث کی۔ اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ بے شک انسان تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عام انسانوں کی

طرح غلطیاں کرتے تھے یا وہ کبھی قرآن بھول جاتے تھے اور صحابہ انھیں یاد دلاتے تھے یا کبھی نماز کی رکعات بھول جاتے تھے اور صحابہ یاد دلاتے تھے یا وہ مؤمنین کو تکلیف یا اذیت پہنچاتے تھے بلکہ آپ کی ذات قرآن کی تعلیمات کے مطابق تمام عالمین کے لئے اسوۂ حسنہ تھی۔

اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی شخصیت دو حصوں یعنی دینی اور دنیوی میں تقسیم ہر گز نہ تھی یعنی ایسا نہیں ہے کہ وہ کوئی حکم عام انسان کی حیثیت سے دیتے تھے اور کوئی حکم نبوی حیثیت سے دیتے تھے۔ ان کی جن غلطیوں کو احادیث میں نمایاں کیا گیا ہے ہمارے نزدیک خاص غرض کے تحت وضع کی گئی ہیں، جس کے تحت بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی توجیہہ کی جاسکے اور ان کا خلفائے رسول کی حیثیت سے جو احترام کیا جاتا تھا، ان کے ظالمانہ رویے کے باوجود وہ احترام برقرار رہ سکے۔ غرض رسول اللہ ﷺ اگرچہ انسان تھے لیکن وہ ایک انسان کامل کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کا ایک خاص امتیاز یہ تھا کہ ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔ ان سے بشر ہونے کی حیثیت سے نہ تو کوئی غلطی ہوتی تھی اور نہ ہی وہ بھول جاتے تھے۔

حوالہ جات

1۔القرآن، کہف، آیت ۱۱۰

2۔القرآن، فصلت، آیت ۶

3۔القرآن، یونس، آیت ۱۵

4۔ فخر الدین رازی، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین، مفاتیح الغیب، المکتبہ الشاملۃ، جز ۸، ص ۲۴۵۔

5۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت + دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت۔ جز ۷، ص ۹۵

6۔ابن حبان، صحیح ابن حبان، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء، مؤسسۃ الرسالۃ، ج ۱، ص ۲۰۲

7۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المختصر، تحقیق: د۔ مصطفیٰ دیب البغا، الناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء، باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان، جز ۱، ص ۱۵۶

8۔ مسلم بن الحجاج أبو الحسین القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، تحقیق : محمد فؤاد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ، جزا، ص ۴۰۰

9۔ أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشیبانی، مسند أحمد بن حنبل، المحقق : السید أبو المعاطی النوری، عالم الکتب - بیروت، الطبعۃ : الأولی، ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸ء، جزا، ص ۳۷۹

10۔ سنن أبی داود، أبو داود سلیمان بن الأشعث السجست، دار الکتاب العربی، بیروت، جزا، ص ۳۹۰

11۔ محمد بن یزید أبو عبداللہ القزوینی، سنن ابن ماجہ، تحقیق : محمد فؤاد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت، باب السھو فی الصلاۃ، جزا، ص ۳۸۰

12۔ دار قطنی البغدادی، علی بن عمر، سنن الدار قطنی، تحقیق : السید عبد اللہ ہاشم یمانی المدنی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء جزا، ص ۳۷۵

13۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت، دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت صَلاَۃِ الْمُسَافِرِینَ۔ باب الأَمْرِ بِتَعَهُّدِ الْقُرْآنِ وَكَرَاهَةِ قَوْلِ نَسِيتُ آيَةَ كَذَا۔ جز ۲، ص ۱۹۰

14۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المختصر، دار ابن کثیر، الیمامۃ بیروت۔ الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء، تحقیق : د۔ مصطفیٰ دیب البغا - جامعۃ دمشق، الجز ۴، ص ۱۹۲۲

15۔ القرآن، اعلیٰ۔ آیت ۶

16۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح المختصر، دار ابن کثیر، الیمامۃ بیروت۔ الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء، تحقیق : د۔ مصطفیٰ دیب البغا - جامعۃ دمشق، أبواب السھو، باب من یکبر فی سجدتی السھو، الجزا، ص ۴۱۲

17۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ۔ دار الفکر - بیروت - لبنان، طبعۃ مصححۃ ومقابلۃ علی عدۃ مخطوطات ونسخ معتمدۃ، ج ۲، ص ۸۶

18۔ محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان التمیمی النجدی، مختصر زاد المعاد، دار الریان للتراث القاہرۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء، جزا، ص ۲۰

19۔ محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان التمیمی النجدی، مختصر زاد المعاد، دار الریان للتراث القاہرۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء، جزا، ص ۲۰

20۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجتہ اللہ البالغہ، مترجم : مولانا عبد الحق حقانی، دار الاشاعت، تاریخ ندارد، اردو بازار، کراچی، ص ۲۰۷

21۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجتہ اللہ البالغہ، مترجم : مولانا عبد الحق حقانی، دار الاشاعت، تاریخ ندارد، اردو بازار، کراچی، ص ۲۰۸

22۔ شبلی نعمانی، الفاروق، طابع : شیخ نیاز احمد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز، ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور، تاریخ ندارد، ص ۴۳۹

23۔ طٰہٰ حسین مصری، ڈاکٹر، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم، مترجم : شاہ حسن عطا، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۴

24۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۲، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۲

25۔ محمد عبداللہ، ڈاکٹر، سید سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۱۰۸

26۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت، جز۸، ص۲۴ کتاب البر والصلۃ والآدب۔

27۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت دار الآفاق الجدیدۃ بیروت، جز۸، ص۲۴

28۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت، دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت۔ جز۸، ص۲۵

29۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، دار صادر بیروت لبنان، ج۲ ص۴۴۹

30۔ عبداللہ بن بہرام الدارمی، سنن الدارمی، ۱۳۴۹ھ، مطبعۃ الحدیثۃ دمشق، طبع بعنایۃ محمد أحمد دہمان، ج۲ ص۳۱۵

31۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، طبع باذن خاص من ورثۃ حسام الدین القدسی مؤسس مکتبۃ القدسی بالقاہرۃ، ج ۸۔ ص۲۶۶

32۔ جلال الدین السیوطی، الجامع الصغیر، الأولی، ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع بیروت، ج۱، ص۲۳۵ ۔۲۳۶

33۔ مقریزی، امتاع الأسماع، تحقیق و تعلیق: محمد عبد الحمید النمیسی، الأولی، ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء، منشورات محمد علی بیضون، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ج۲، ص۲۵۱

34۔ القرآن، النجم، آیت ۳۔ ۴

35۔ القرآن، آل عمران، آیت۔ ۱۳۴

36۔ القرآن، فرقان، آیت۔ ۶۳

37۔ القرآن، قلم، آیت۔ ۴

38۔ القرآن، آل عمران، آیت۔ ۶۱

39۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر، المحقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی: ھ ۱۴۲۲، الجزا، ص۱۳

40۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت۔ جز۸، ص۳۰

41۔ سلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت۔ جز۸، ص۳۰

42۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر، المحقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی: ۱۴۲۲ھ، الجزء۱۵، ص۲۲۲

43۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، جامع الصحیح المختصر، تحقیق: د۔ مصطفیٰ دیب البغا، دار ابن کثیر، الیمامۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۷ھ ۱۹۷۸ء، کتاب الأدب۔ باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فاحشا ولا متفحشا، جز۵، ص۲۲۴۳

44۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الجیل بیروت دار الآفاق الجدیدۃ۔ بیروت۔ جز۸، ص۲۳

45۔ مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دار الفکر بیروت لبنان، طبعۃ مصححۃ ومقابلۃ علی عدۃ مخطوطات ونسخ معتمدۃ، ج ۸ ص ۲۷

46۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، صحح عن النسخۃ المحفوظۃ فی مکتبۃ الحرم المکی تحت اعانۃ وزارۃ معارف الحکومۃ العالیۃ الھندیۃ، ج ۲ ص ۶۹۹

47۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، جز ۴، ص ۵۲۷

48۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، جز ۴، ص ۵۲۶

49۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، جز ۴، ص ۵۲۶

50۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، جز ۴، ص ۵۲۸

51۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، جز ۴، ص ۵۲۸

52۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ۔ ۱۹۹۰ء، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، جز ۴، ص ۵۲۸

حضرت امام علی النقی علیہ السلام

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*

ولادت اور ادوار حیات

حضرت امام علی النقیؑ کی ولادت ۱۵ر ذی الحج ۲۱۲ ہجری قمری میں مدینہ سے باہر ''صریا'' نامی مقام پر ہوئی۔ لیکن ابن عیاش کی روایت کے مطابق آپ - کی ولادت ۵ر رجب المرجب ۲۱۲ہجری میں ہوئی۔ آپ کے القاب میں سے ''الناصح''، ''المفتاح''، ''المرتضٰی'' اور ''متوکل'' مشہور ہیں۔ آپ کا مشہور لقب متوکل تھا لیکن متوکل عباسی کے مسند اقتدار پر آنے کے بعد آپ اپنے ماننے والوں کو اس لقب سے پکارنے سے منع فرماتے تھے۔

آپؑ کی شہادت ۳ر رجب المرجب ۲۵۴ہجری میں سامرہ میں ہوئی۔ آپ نے تقریبا ۴۲ ر سال عمر پائی۔ آپؑ کی زندگی کا تقریبا ۲۲ر سال کا دورانیہ مدینہ منورہ میں گذرا اور ۲۰ر سال کا عرصہ سامرہ میں گذرا۔ آپؑ کی زندگی میں پانچ عباسی خلفاء نے مسند اقتدار سنبھالی اور ان حکمرانوں کے اقتدار کے ادوار کے لحاظ سے آپ کی عمر مبارک کو درج ذیل پانچ عمدہ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ۲۱۲ سے ۲۲۷ ہجری تک: (۱۵ر سال) مدینہ منورہ میں مأمون کے بھائی ''معتصم'' کے دور اقتدار میں۔

۲۔ ۲۲۷ سے ۲۳۲ ہجری تک (۵ر سال) مدینہ منورہ میں معتصم کے بیٹے ''واثق'' کی حکومت میں۔

۳۔ ۲۳۲ سے ۲۴۸ ہجری تک (۱۶ر سال) متوکل عباسی کے دور میں جن میں سے ۲ ر سال آپ نے مدینہ منورہ میں گذارے اور ۱۴ ر سال کا عرصہ سامرہ میں۔

---

*۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، استاد اصول وفقہ، فلسفہ اسلامی، جامعۃ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد

۴۔ ۲۴۸ سے ۲۵۲ ہجری تک (۴ ؍ سال) جن میں سے پہلے ۶ ؍ ماہ کا عرصہ منتصر اور پھر مستعین کے دور خلافت میں سامرہ میں۔

۵۔ ۲۵۲ سے ۲۵۴ ہجری تک (۲؍ سال) کا عرصہ معتز کے دور خلافت میں۔

امامت

حضرت امام محمد تقیؑ کی شہادت کے بعد آپ ۸؍ سال کی عمر میں مسند امامت پر فائز ہوئے۔آپؑ کی اس کم عمری میں امامت بعض لوگوں کیلئے آپ کی امامت پر شک وتردید کا باعث ہو سکتی تھی۔ لیکن آپ کے والد امجد حضرت امام محمد تقیؑ کی آپ کی امامت پر ''نص'' (تصریح) نے آپ کی امامت کو ثابت کر دیا۔ چنانچہ حضرت امام محمد تقیؑ نے فرمایا:

''انّ الامام بعدی ابنی علی، أمرہ أمری وقولہ قولی وطاعتہ طاعتی والامامۃ بعدہ فی ابنہ الحسن۔'' (1)

یعنی: ''میرے بعد میرا بیٹا ''علیؑ'' امام ہے، ان کا حکم میرا حکم، ان کی بات، میری بات اور ان کی اطاعت، میری اطاعت ہے اور اُن کے بعد امامت ان کے بیٹے ''حسنؑ'' میں ہے۔''

اسی طرح الکافی میں کلینی سے علی ابن ابراہیم عن ابیہ، عن اسماعیل بن مہران سے روایت ہے کہ جب ابو جعفر (الثانی) حضرت امام محمد تقیؑ کو پہلی بار بغداد بلایا گیا تو میں پریشان تھا:

''قلت لہ عند خروجہ: جعلت فداك انی اخاف علیك فی ھذا الوجہ، فالی من الامر بعدك؟''

یعنی: ''جب آپؑ نکل رہے تھے میں نے آپؑ کی خدمت میں عرض کی: میں آپؑ پر فدا جاؤں آپ کے اس سفر میں مجھے آپؑ کی زندگی کا خطرہ ہے، (اگر خدانخواستہ کوئی ایسا حادثہ پیش آجاتا ہے تو) آپ کے بعد یہ منصب کس کے پاس ہوگا؟''

اس پر حضرت امام محمد تقیؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اس سال میری زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ لیکن روای کا بیان ہے کہ جب دوسری بار آپؑ کو معتصم کے دربار میں بلایا گیا تو اس بار جب میں نے عرض کی:

''جعلت فداك، فانت خارج، فالی من ھذا الامر من بعدك؟ فبکی حتی اخضلت لحیتہ''

یعنی: ''میں آپ پر قربان جاؤں! آپ جا رہے ہیں تو آپ کے بعد یہ منصب کس کے پاس ہوگا؟ میرے اس سوال پر آپ روئے، یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپ - میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اس بار میری زندگی خطرے میں ہے۔ میرے بعد امامت کا منصب میرے بیٹے ''علی'' کے حوالے ہے۔'' (2)

خلاصہ یہ کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی ان تصریحات کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی امامت میں کسی شک کی گنجائش باقی نہ رہی اور خاص و عام پر واضح ہو گیا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے بعد امام، آپ کے فرزند حضرت علی النقی علیہ السلام ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام مدینہ میں

آپؑ نے اپنی زندگی کے تقریبا ۲۲ ر سال مدینہ منورہ میں گذارے۔ ابھی آپ کی عمر ۸ر سال تھی کہ امامت کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آ گئی۔ آپ نے مدینہ میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ البتہ عباسی خلفاء نے چونکہ ائمہ طاہرینؑ کے ارد گرد اپنے جاسوسوں کا گھیرا تنگ کر رکھا تھا لہٰذا ائمہ طاہرینؑ، بالخصوص حضرت امام علی نقیؑ اپنے شیعوں کی بلاواسطہ رہنمائی کرنے کے بجائے اپنے وکیلوں کے ذریعے یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔

آپؑ اپنے ماننے والوں سے شرعی رقوم اپنے وکیلوں کے ذریعے وصول فرماتے۔ مختلف علاقوں کے حوالے سے آپ کے وکیلوں کے درج ذیل چار گروہ یا حلقے تھے۔ ایک گروہ مدائن اور عراق کیلئے؛ دوسرا گروہ بصرہ اور اہواز کیلئے؛ تیسرا گروہ قم اور ہمدان کیلئے اور چوتھا گروہ حجاز، یمن اور مصر کیلئے تھا۔ اور آپؑ اپنے ماننے والوں پر اپنے وکیلوں کی اطاعت کو واجب قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ نمونے کے طور پر آپ -کے اُس خط سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ نے بغداد کے کسی محدود علاقے میں اپنے وکیل ''علی بن بلال'' کو رقم فرمایا۔ اس خط میں آیا ہے:

''۔۔۔ ثمّ انّی أقمت أبا علی مقام الحسین ابن عبد ربّه و ائتمنته علی ذلك بالمعرفة بما عنده الذی لا یتقدّمه احد۔۔۔''

یعنی: " اب میں نے ابو علی (بن راشد) کو "علی بن حسین بن عبد ربّہ" کی جگہ منصوب کیا ہے۔ میں نے یہ ذمہ داری اس لیے اس کے سپرد کی ہے کیونکہ اس میں مکمل صلاحیت پائی جاتی ہے؛ (صلاحیتوں میں) اُس سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے علاقے کے بزرگ ہو اسی لیے میں نے تمہیں آگاہ کرنا چاہا ہے۔ در عین حال، لازم ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے اور وصول شدہ شرعی رقوم اس کے حوالے کی جائیں۔ ہمارے دیگر پیروکاروں کو بھی اس بات کا حکم دو اور انہیں آگاہ کرو کہ اس کی مدد کریں تاکہ وہ اپنے فرائض انجام دے سکے۔۔۔۔" (3)

ابو علی ابن راشد کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کے بارے میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: "انّہ عاش سعیدا و مات شھیدا" یعنی: "یقینا اس نے سعادت مندی کی زندگی گذاری اور شہادت کی موت پائی۔" (4) بہر حال، بغداد، مدائن اور کوفہ میں آپ کے وکیلوں کے نام آپ کے خطوط سے بھی ایسے ہی مضامین دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

امامت اور وکالت

یہاں ایک اہم نکتہ جو ہمیں درس کے طور پر ائمہ طاہرین اور بالخصوص حضرت امام علی نقیؑ کی زندگی اور روش سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ مکتب تشیع میں امامت کے نظام میں وکالت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس نکتے سے غفلت کی وجہ سے بعض لوگ ہمیشہ گمراہی کا شکار رہے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہر شخص کو ہمیشہ بغیر کسی واسطے کے معصوم امام سے احکام و مسائل اور زندگی کے امور میں رہنمائی حاصل ہونا چاہیے۔ حالانکہ تاریخِ اسلام میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام مسلمانوں کو بغیر کسی غیر معصوم واسطہ کے معصوم کے دروازے سے رہنمائی ملی ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا ممکن بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی کئی ایسے مواقع پیش آئے جن پر آپ نے بعض انتہائی اہم پیغامات امت کو دیے، لیکن موقعہ پر امت کے تمام افراد موجود نہ تھے۔ لہٰذا آپ نے "فلیُبَلِّغِ الشاھدُ الغائبَ" جیسے الفاظ میں یہ حکم دے دیا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ میرا پیغام اُن تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔

بنابرایں، امت کی ہدایت کا سلسلہ صدر اسلام اور خود پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے سے امت کے کثیر افراد کیلئے بالواسطہ رہنمائی سے چلتا رہا ہے۔ بالخصوص ائمہ طاہرین نے اپنے ماننے والوں کی رہنمائی اپنے وکیلوں کے ذریعے انجام دی کیونکہ نہ تو آپ کے سب ماننے والوں کو وقت کے امام کی خدمت میں رسائی حاصل ہوتی تھی اور نہ ہی وقت کے ظالم و جابر حکمران انہیں یہ فرصت دیتے کہ وہ آزادانہ اپنے امام سے مل سکیں اور رہنمائی حاصل کر سکیں۔

حضرت امام علی نقیؑ کے وکیلوں کا یہ وسیع حلقہ جہاں مکتب تشیع میں وکالت کے نظام کو اجاگر کرتا ہے وہاں اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وکیلوں کے ذریعے اپنے ماننے والوں کی رہنمائی انجام دے کر عملی طور پر ائمہ طاہرینؑ اپنے ماننے والوں کو زمانۂ غیبت کیلئے نظریاتی طور پر آمادہ فرمارہے تھے۔ ائمہ طاہرینؑ اپنی زندگی میں اپنے وکیلوں کے ذریعے اپنے شیعوں کی رہنمائی انجام دے کر انہیں زمانۂ غیبت ایسے علماً سے رہنمائی پانے کی تربیت دے رہے تھے جنہیں ائمہ طاہرینؑ نے اپنا خلیفہ اور وکیل قرار دیا ہے۔

لہٰذا وہ لوگ جو آج جہالت کی بنیاد پر یا مادی اور دنیاوی اغراض و مقاصد کے تحت مکتب تشیع کے پاس موجود مرجعیت اور ولایت کے موجودہ نظام کو فقط یہ کہہ کر ٹھکرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ رہنمائی فقط امام سے لینا چاہیے اور ہم امام کے علاوہ کسی کی تقلید نہیں کرتے، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ خود ائمہؑ کے حضور و ظہور کے زمانے میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے سب ماننے والوں نے ڈائریکٹ ان ہستیوں سے رہنمائی پائی ہو، بلکہ ان کی زندگی میں بھی لوگ ان کے وکیلوں سے رہنمائی پاتے تھے۔ اور ائمہ طاہرینؑ کے معین کردہ وکیلوں کے ذریعے رہنمائی کا یہ سلسلہ فقط شرعی مسائل کا حل دریافت کرنے میں محدود نہیں تھا بلکہ ائمہؑ کے ماننے والوں کے دیگر امور کی دیکھ بھال اور نظم و انتظام میں بھی ان کے وکیل انجام دیا کرتے تھے۔

بلا شبہ چونکہ غیبت کے زمانہ میں فقہاء کے ائمہ طاہرینؑ کا وکیل اور خلیفہ ہونے پر ان ہستیوں کی کئی تصریحات موجود ہیں، لہٰذا مکتب تشیع میں موجود مرجعیت اور فقیہ کی ولایت کا نظام کوئی نیا نظریہ اور انہونی بات نہیں ہے۔

حضرت امام علی نقیؑ کا الٰہی مقام و منصب

حضرت امام علی نقیؑ الٰہی خلیفہ تھے اور احکام الٰہی سے سب سے زیادہ آشنا۔ لہٰذا ایک مرتبہ جب ایک عیسائی نے مسلمان عورت سے زنا کیا اور اسے متوکل کے قاضی "یحییٰ بن اقثم" کی عدالت میں لایا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ قاضی نے یہ دیکھ کر کہا کہ اب اسے یہ سزا نہیں ملنا چاہیے۔ قاضی کے اس فیصلہ پر کئی بڑے بڑے علماء نے اپنے اپنے فتوے دیے۔ یوں ایک عجیب و غریب ماحول بن گیا۔

متوکل نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس نے امام علی نقیؑ سے خط کے ذریعے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا۔ آپ نے اس زانی کی سزا یہ بیان فرمائی کہ اسے اتنا مارا جائے کہ وہ مر جائے۔ درباری قاضی کو امام کا حکم قبول نہ تھا، لہٰذا اس نے اس حکم کی دلیل کا تقاضا کیا۔ خلیفہ نے امام کو اس حکم کی دلیل بیان کرنے کا لکھ بھیجا۔ امام نے جواب میں یہ آیات لکھ بھیجیں:

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّةَ اللهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ (5)

یعنی: "جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ہم یکتا خدا پر ایمان لائے اور ہم جنہیں خدا کا شریک قرار دیتے تھے ان سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اب انہیں ان کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، یہ اللہ کا وہ قانون ہے جو اس کے بندوں میں جاری ہے اور اس وقت کفار خسارے میں پڑ گئے۔" (6)

حضرت امام علی نقیؑ سامرہ میں:

جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا حضرت امام علی نقیؑ مدینہ میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی میں مصروف تھے۔ یہ دور سیاسی طور پر بنی عباسی کی خلافت کے تزلزل کا دور تھا۔ ایک طرف عباسی سلطنت ترکوں کے حملوں کا نشانہ تھی اور دوسری طرف درباریوں کی عیاشیاں عروج پر تھیں۔ عباسی خلفاء کی نااہلیاں اور ظلم و ستم اس پر مزید تھا جو ان کی خلافت کے تزلزل کا سبب بن رہا تھا۔

اس صورتحال میں عباسی خلفاء معمولی سے مخالفت کے شائبہ میں بھی مخالفین کو سرکوب کرتے تھے۔ بالخصوص انہیں معلوم تھا کہ خلافت رسول کے حقیقی جانشین ائمہ اہل بیت اطہارؑ ہیں، لہٰذا انہیں ہمیشہ ائمہ

اہل بیتؑ کی طرف سے اپنی خلافت کیلئے خطرہ لاحق رہتا اور ان کی سب سے زیادہ توجہ ائمہ طاہرین کی فعالیت پر جمی رہتی۔ وہ اپنے گورنروں کو خصوصی ہدایات جاری کرتے کہ وہ ائمہ اطہارؑ کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں۔

دربار خلافت کے جاسوس بھی اپنی کارکردگی دکھانے کیلئے خواہ مخواہ ائمہ اطہارؑ کے خلاف الٹی سیدھی خبریں دیتے رہتے تھے۔ لہٰذا متوکل کے مدینہ میں گورنر "عبد اللہ بن محمد ہاشمی" نے امام علی نقیؑ کے خلاف دربار خلافت میں یہ خط لکھا کہ امام کی اجتماعی شان و منزلت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور اس سے متوکل کے اقتدار کو سخت خطرہ لاحق ہے۔ جب امام کو اس امر کا پتہ چلا تو آپ نے بھی متوکل کو خط لکھا اور آگاہ فرمایا کہ عبد اللہ بن محمد نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

متوکل نے یہاں سیاسی چال چلی اور ایک طرف تو عبد اللہ کو برکنار کر دیا لیکن دوسری طرف امام کو یہ خط لکھوایا کہ وہ آپ کے دیدار کا مشتاق ہے تاکہ تجدید عہد ہو جائے۔ اگر آپ اس سفر کا تمایل رکھتے ہوں تو "یحییٰ بن ہرثمہ" آپ کی رکاب میں ہوگا اور آپ ان کے ہمراہ تشریف لائیں۔ یقینا یہ ایک سیاسی چال تھی اور امام کو نظربند کرنے کا ایک حربہ تھا۔ حضرت امام علی نقیؑ کے پاس بھی اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ آپ مدینہ سے بغداد کی جانب سفر کیلئے کمربستہ ہو جائیں۔ آپ اس سفر پر اپنے راضی نہ ہونے کا اظہار یوں فرماتے تھے: " مجھے مدینہ سے مجبور کرکے سامرہ لایا گیا ہے۔" (7)

خلاصہ یہ کہ آپؑ کو بغداد اور وہاں سے سامرہ لایا گیا جو اس وقت حکمرانوں کی فوجی چھاونی تھا۔ آپ کو فوجی چھاؤنی میں رکھا گیا۔ اسی وجہ سے آپ کو "عسکری" کہا جاتا ہے۔ آپ -کے بعد آپ کے فرزند حضرت امام حسن کو بھی "عسکری" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ انہیں بھی اسی مقام پر رکھا گیا۔

متوکل نے آپؑ کی اہانت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کو سامرہ میں پہلے دن " خان الصعالیك" یعنی "گداؤں کی کارونسرا" میں اس بہانے سے رکھا گیا کہ ابھی آپ کا گھر آمادہ نہیں ہے اور یوں آپ کی تحقیر کی کوشش کی گئی۔

درحقیقت عباسی خلیفہ متوکل وہ ملعون تھا جس نے ۲۳۶ ہجری میں حضرت امام حسینؑ کی قبر مطہر کو "دیزج" نامی ایک یہودی کے ہاتھوں مسمار کروایا۔ متوکل نے حضرت امام محمد تقیؑ اور امام علی نقیؑ کے

باوفا شاعر ''ابن سکیت'' سے پوچھا کہ آیا تمہیں میرے دو بیٹے محبوب ہیں یا حسنؑ اور حسینؑ؟ ابن سکیت کو سخت غصہ آیا اور اس نے کہا: ''خدا کی قسم! علیؑ کا غلام قنبر بھی میری نظر میں تجھ اور تیری اولاد سے بہتر ہے۔'' اس پر متوکل نے جناب ابن سکیت کو شہید کروادیا۔

لہٰذا اس دشمن اہل بیت نے سامرہ میں حضرت امام علی نقیؑ کے گھر کو جاسوسوں کے محاصرے میں رکھا۔ آپؑ پر بہت سختیاں کی گئیں، کئی بار آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور کئی حیلوں بہانوں سے آپ کی توہین و تحقیر کی جاتی رہی۔ ایک بار جب آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور آپ کو متوکل کے پاس لایا گیا تو اس کے سامنے شراب رکھی تھی اور اس نے امام کو شراب پیش کرنے کی جسارت کی۔ آپؑ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میرا گوشت اور خون ایسی نجاست سے کبھی آلودہ نہیں ہوا۔''

تب اس نے آپ سے اشعار پڑھنے کا تقاضا کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے اشعار پڑھنے سے معاف رکھو، لیکن جب متوکل کا اصرار بڑھا تو آپ نے دنیا پرست بادشاہوں کی مذمت میں یہ اشعار پڑھے:

بَانُوْا عَلٰی قُلَلِ الْجِبَالِ تَحْرِسُهُمْ　　غَلَبَ الرِّجَالُ فَمَا اَغْنَتْهُمُ الْقُلَلُ

وَ اسْتَنْزَلُوْا بَعْدَ عِزٍّ عَنْ مَعَاقِلِهِمْ　　فَاُوْدِعُوْا حُفَرًا يَا بِئْسَ مَا نَزَلُوْا

نَادَاهُمُ صَارِخٌ مِنْ بَعْدِ مَا قُبِّرُوْا　　أَيْنَ الْاَسَاوِرُ وَ التِّيْجَانُ وَ الْحُلَلُ؟

یعنی: ''انہوں نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر قلعے بنائے؛ اس خیال سے کہ یہ قلعے انہیں بچالیں گے؛ لیکن ان پر (مخالف) افراد غالب آگئے اور پہاڑوں کی چوٹیاں انہیں نہ بچا سکیں۔ اور انہیں شان و شوکت کے بعد ان کے شاہی ٹھکانوں سے نکال دیا گیا اور انہیں قبروں کے سپرد کر دیا گیا جو بہت ہی برے ٹھکانے ہیں۔ جب انہیں قبروں میں لٹا دیا گیا تو ندا دینے والے نے ندا دی: ائے بادشاہو! کہاں گئے تمہارے زیورات، تاج اور قیمتی پوشاکیں؟!۔۔۔''

جب حضرت امام علی نقیؑ نے یہ اشعار پڑھے تو آپ ۔کے کلام میں اتنی تأثیر تھی کہ متوکل بہت رویا؛ یہاں تک کہ اس کی ریش آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ شراب کی بساط اٹھالی گئی اور امام کو ۴۰ ہزار درہم دے کر احترام کے ساتھ واپس گھر بھجوایا دیا گیا۔(8)

ایسے واقعات کی روشنی میں اگرچہ متوکل جیسے سب خلفاء کیلئے یہ امر روشن تھا کہ رسول خداﷺ کے حقیقی جانشین وہ نہیں بلکہ ائمہ اہل بیتؑ ہیں، لیکن دنیا پرستی اور اقتدار کی ہوس نے انہیں اتنا اندھا بنا دیا تھا کہ وہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی عالم کائنات کے معصوم ترین انسانوں پر بھی ظلم سے باز نہیں آتے تھے۔ لہٰذا متوکل حضرت امام علی نقیؑ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا رہا۔ اس نے آپؑ اور آپؑ کے ماننے والوں کے درمیان جدائی ڈالنے کیلئے جاسوس مقرر کر دیے۔ آپؑ کے گھر کا سخت پہرہ دیا جاتا۔

چنانچہ منصوری نے، اپنے چچا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک دن متوکل کے پاس گیا۔ متوکل شراب پی رہا تھا اور اس نے اسے بھی یہ شراب پیش کی۔ جب اس نے شراب پینے سے انکار کیا تو اس ملعون نے کہا تم ہمارے ساتھ کہاں شراب پیوگے تم تو علی ابن محمد کے ہمراہ پیتے ہو۔ یہ جملہ کہنے سے متوکل کا مقصد یہ تھا کہ یوں فرزند رسول حضرت امام علی نقیؑ پر شراب پینے کی پلید تہمت لگائے۔ ویسے بھی مکتب اہل بیتؑ کے دشمنوں کو جب اس مکتب کے ائمہؑ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف کوئی دلیل نہیں ملتی تو وہ بہتان تراشیوں کا سہارا لیتے ہیں۔ لیکن

"وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے!"

چنانچہ یہی شخص کہتا ہے کہ ایک مرتبہ متوکل کے جاسوسوں نے خبر دی کہ قم سے امام کیلئے شرعی رقوم اور مال لایا جا رہا ہے۔ اس خبر پر آپ کے گھر پہ پہرہ لگا دیا گیا۔ میں پریشانی کے عالم میں امام کی خدمت میں پہنچا اور آپ کو معاملہ سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پریشان نہ ہو کچھ نہیں ہوگا اور مجھے رات کو اپنے ہاں ٹھہرنے کا کہا۔ میں ٹھہر گیا۔ رات کے کسی وقت آپ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ وہ شخص آیا ہے، خادم نے اسے دروازے پر روکا ہوا ہے۔ آپ جاؤ اور اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے وصول کر لو۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس سے کہو کہ وہ پیراہن دو جو قمی خاتون نے تمہارے حوالے کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اس کی دادی کا ذخیرہ تھا۔ جب میں وہ پیراہن آپ کی خدمت میں لایا تو آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ وہ پیراہن جو تم نے تبدیل کر کیا ہے، وہ ہمارے حوالے کرو۔ جب میں نے اسے یہ کہا تو اس نے جواب دیا کہ میری بیٹی کو وہ پیراہن پسند آگیا تھا لہٰذا میں نے وہ

پیراہن اسے دے دیا ہے اور اس کی جگہ یہ پیراہن لایا ہوں۔ میں ابھی جاتا ہوں اور وہ پیراہن لے کر آوں گا۔ میں نے جب امام علی نقی ۔ کو یہ بتایا تو آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ:

''اِنَّ اللہَ یَحۡفِظُ لَنَا وَعَلَیۡنَا''

یعنی: ''بے شک اللہ ہمارے لیے (ہمارے جان و مال کی) حفاظت کرتا ہے اور ہمارے (اعمال کے) اوپر حافظ بھی ہے۔''

اپنی بغل سے وہ پیراہن نکالو اور ہمارے حوالے کرو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اس نے بغل میں وہ پیراہن دبایا ہوا تھا۔ لیکن امام علی نقیؑ کا یہ فرمان سن کر اس پر غشی طاری ہو گئی۔ اس دوران آپ تشریف لائے اور فرمایا:

''قَدۡ کُنۡتَ شَاکّاً فَتَیَقَّنۡتَ''۔

یعنی: ''اے شخص! تمہیں (ہماری امامت میں) شک تھا، لو اب تو یقین ہوا'' (9)

حضرت امام علی النقیؑ کی متوکل پر نفرین

بہر حال متوکل کی اہل بیت دشمنی جاری رہی۔ اس نے بارہا حضرت امام علی نقیؑ کی توہین کا ارتکاب کیا۔ ایک مرتبہ جب اس نے اپنے تمام درباریوں پر فتح بن خاقان کی بالادستی ثابت کرنا چاہی تو اپنے تمام درباریوں اور وزیروں وغیرہ کو حکم دیا کہ سب بہترین لباس پہن کر اس کے سامنے نکلیں، کوئی کسی مرکب پر سوار نہ ہو۔ فقط خود متوکل اور فتح بن خاقان مرکب پر سوار تھے۔ اس واقعہ میں حضرت امام علی نقیؑ کو بھی سخت گرمی میں اہانت کے ساتھ پیدل چلایا گیا۔ آپ ۔کے ایک مؤمن جناب زرافہ کا کہنا ہے کہ جب میں امامؑ کے قریب ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

''یَا زَرَافَةُ! مَا نَاقَةُ صَالِحٍ عِنۡدَ اللہِ بِاَکۡرَمَ مِنِّی'' او قال: ''بِأَعۡظَمَ قَدَراً مَنِّی''۔

یعنی: ''اے زرافہ! حضرت صالح کی ناقہ خدا کی بارگاہ میں مجھ سے زیادہ صاحب کرامت نہیں ہے'' (یا فرمایا) ''مجھ سے زیادہ قدر و منزلت نہیں رکھتی۔''

جب زرافہ نے اس بات کا تذکرہ اپنے بچوں کے معلم سے کیا تو اس نے کہا کہ اگر امام ہادیؑ نے یہ فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دن کے اندر اندر متوکل ہلاک ہو جائے گا اور اس نے قرآن کریم میں حضرت صالح کی داستان کی اس آیت کو شاہد بنایا جس میں ارشاد پروردگار ہے:

۔۔۔ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ

یعنی: "تم لوگ اپنے گھروں میں بس تین دن تک مزے اڑا لو، کہ یہ ایک ناقابل تکذیب وعدہ ہے۔"(10)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ادھر متوکل نے ایک خنثیٰ کے ذریعے مولائے متقیان حضرت امام علیؑ کی توہین کا ارتکاب کیا۔ یہ واقعہ اس کے بیٹے منتصر پر جو کہ خاندان اہل بیت سے محبت رکھتا تھا، بہت گراں گذرا اور اس نے دربار کے کچھ دیگر لوگوں کے ساتھ مل کر متوکل اور فتح بن خاقان کو قتل کر ڈالا اور ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

راوی کا کہنا ہے کہ میں متوکل کی ہلاکت کے بعد حضرت امام ہادیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنے بچوں کے معلم کی بات جب آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپؑ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ اس دن مجھ پر بہت سخت گذرا۔ لہٰذا میں نے اس مخفی خزانے کا رخ کیا جو مجھے میرے اجداد سے ورثہ میں ملا ہے اور میں نے متوکل پر نفرین کی اور خداوند تعالی نے ظالم کے خلاف مظلوم کی نفرین مستجاب فرمائی۔(11)

متوکل کی ہلاکت کے بعد اس کا بیٹا منتصر حاکم بنا لیکن وہ فقط ۶ر ماہ تک خلافت پر رہا۔ منتصر کے بارے میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اسے اہل بیت اطہارؑ سے عقیدت تھی لیکن وہ اس مختصر عرصہ میں ائمہ اطہارؑ اور آپ کے ماننے والوں کیلئے کوئی خاص اقدامات نہ اُٹھا سکا۔ ہاں اس نے اس مختصر عرصہ میں حضرت امام حسینؑ کی زیارت سے پابندی اٹھوالی اور مدینہ میں اہل بیتؑ کا احترام و اکرام بحال کر دیا اور علویوں کے موقوفات واپس کر دیے۔

حضرت امام علی النقیؑ کی تعلیمات

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، حضرت امام علی نقیؑ کی امامت کا فقط ۱۴ھ سال کا عرصہ امامت مدینہ میں اور ۲۰ھ سال کا عرصہ سامرہ میں حکومت وقت کے زیر نظر گذرا لہٰذا آپ کھل کر اپنے ماننے والوں کی رہنمائی نہ کر سکے۔ شاید یہی وجہ ہے مملکت اسلامی کے مختلف علاقوں میں بسنے والے اپنے شیعوں کی اپنے وکیلوں کے ذریعے رہنمائی کے باوجود بھی فقہ جعفریہ کے باب میں حضرت امام ہادیؑ سے بہت کم احادیث نقل ہوئی ہیں۔

بہر حال آپ کی تعلیمات اپنے جد امجد رسولخداﷺ کی تعلیمات ہی تھیں۔ آپ نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کا خدائے واحد کی بندگی و عبادت، رسولخداﷺ کی اطاعت اور رسولخداﷺ کے حقیقی جانشینوں کی ولایت کا درس دیا۔ چنانچہ توحید باری تعالی کے دفاع میں دیگر ائمہ طاہرینؑ کی طرح آپ -نے بھی ہر قسم کے شرک اور غلو کا بڑی سختی سے مقابلہ فرمایا۔

آپؑ کے دور امامت میں غالیوں کی ایک جماعت بڑی شدت سے سرگرم عمل تھی۔ جن میں سے ''علی بن حسکہ'' قمی، قاسم یقطینی، فارس بن حاتم وغیرہ شامل تھے۔ یہ جماعت لوگوں کو گمراہ کرتی تھی؛ یہاں تک کہ خود حضرت امام علی نقیؑ کے حوالے سے انہوں نے لوگوں میں یہ تبلیغ شروع کر دی کہ نعوذ باللہ امام علی نقی الہادیؑ عالم ہستی کے خالق اور پروردگار ہیں۔ وہ آپ کو مدبر ہستی قرار دیتے تھے۔ آپ نے اپنے ایک خط میں ''ابن حسکہ'' کے بارے میں لکھا:

''ابن حسکہ نے، کہ اس پر خدا کی لعنت ہو، جھوٹ بولا ہے۔ میں اسے اپنے دوستوں اور پیروکاروں سے قرار نہیں دیتا۔ اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا کی قسم! خداوند تعالی نے محمدﷺ اور آپ سے پہلے کے پیغمبروں کو توحید اور نماز و زکات اور حج اور ولایت کے علاوہ کوئی حکم دیکر نہیں بھیجا ہے اور محمدﷺ نے خدائے واحد کے سوا کسی کی طرف نہیں بلایا۔

اور ہم بھی آپ کے جانشین اور خدا کے بندے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔۔۔ میں ایک ایسے شخص سے بیزار ہوں جو ایسی باتیں کرتا ہے اور خدا کی پناہ لیتا ہوں اور تم بھی ان سے دور رہو اور ان پر سختی کرو اور اگر تمہارا ان میں سے کسی پر بس چلے تو اس کا سر پتھر سے کچل دو۔'' (12)

آپ نے ایسا ہی ایک خط ''عبیدی'' کے نام لکھا جس میں محمد بن نصر فہریہ اور حسن بن محمد بابای قمی سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمایا۔

توحید باری تعالی کی تبلیغ اور دفاع کے علاوہ آپؑ نے عقائد و احکام اور اسلامی اخلاقیات و عبادات کے باب میں بھی اپنے ماننے والوں کی رہنمائی فرمائی۔ حج کے بعض احکام میں، قضا نمازوں میں اذان و اقامت کے باب میں، نیز عبادات و مناجات کے باب میں آپ نے اپنے ماننے والوں کی رہنمائی فرمائی۔ یہاں اختتام پر ہم آپ کی وہ نورانی حدیث نقل کرتے ہیں جو آپ نے اپنی شہادت سے پہلے جناب ابو دعامہؒ سے ارشاد فرمائی۔ جب ابو دعامہؒ آپ کی عیادت کیلئے آیا تو آپؑ نے اس سے یہ حدیث بیان فرمائی:

۔۔۔ قال: حدّثنی أبی محمد ابن علی، قال: حدّثنی أبی علیّ ابن موسیٰ، قال: حدّثنی أبی موسی ابن جعفر، قال: حدّثنی أبی جعفر ابن محمد، قال: حدّثنی أبی محمد ابن علی، قال: حدّثنی أبی علی ابن الحسین، قال: حدّثنی أبی الحسین ابن علی، قال: حدّثنی أبی علی ابن ابی طالب، قال: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اُكْتُبْ يَا عَلِيُّ! قَالَ: قُلْتُ: مَا اَكْتُبُ؟ قَالَ لِیْ اُكْتُبْ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْاِيْمَانُ مَا وَقَرَتْهُ الْقُلُوْبُ وَ صَدَّقَتْهُ الْاَعْمَالُ وَ الْاِسْلَامُ مَا جَرَى بِهِ الْلِّسَانُ وَ حَلَّتْ بِهِ الْمُنَاكِحَةُ۔'' (13)

یعنی: '' مجھے سے میرے والد محمد ابن علیؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھ سے میرے والد علی ابن موسیٰؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھے سے میرے والد موسی ابن جعفرؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھ سے میرے والد جعفر ابن محمدؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھ سے میرے والد محمد ابن علیؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھ سے میرے والد علی ابن الحسینؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھ سے میرے والد حسین ابن علیؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھ سے میرے والد علی ابن ابی طالبؑ نے بیان فرمایا؛ فرمایا کہ مجھے رسولخدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: یا علیؑ لکھیے! میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا لکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھیے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایمان اس درونی حالت کا نام ہے جو دلوں میں پائی جاتی ہے اور انسان کے ظاہری اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں؛ جبکہ اسلام اس (گواہی) کا نام ہے جو زبان پر جاری ہوتی ہے، جس کے ذریعے نکاح حلال ہو جاتا ہے۔''

ابو دعامہؒ کا کہنا ہے کہ جب میں نے یہ حدیث سنی تو میں نے عرض کی: "اے فرزند رسول! مجھے نہیں معلوم کونسی چیز زیادہ زیبا ہے، آیا حدیث کا متن یا حدیث کی سند!؟ اس پر امام علی نقیؑ نے فرمایا: یہ حدیث اس دفتر میں ہے جو امیر المؤمنین کے خط سے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی املاء سے لکھا گیا ہے اور نسل در نسل ہمیں ورثہ میں منتقل ہوتا آرہا ہے۔"

حضرت امام علی نقیؑ کی شہادت

اگرچہ ابن شہر آشوب کی المناقب کے مطابق آپ کی شہادت معتمد کے دور اقتدار میں ہوئی لیکن اکثر مؤرخین نے آپ کی شہادت معتز کے دور اقتدار کے اواخر میں لکھی ہے اور آپؑ کی شہادت کا سبب اس زہر کو قرار دیا گیا ہے جو معتز نے آپؑ کو دلوائی۔ آپؑ کی قبر مطہر سامرہ میں ہے اور آپ کو اپنے گھر ہی میں دفن کیا گیا۔

*****

حوالہ جات

1۔ بحار الانوار، المجلسی، / ج ۵۰، ص ۱۱۸۔

2۔ ایضا۔

3۔ طوسی، اختیار معرفۃ الرجال / ج ۲، مؤسسۃ آل البیت لاحیاء التراث، ص ۷۹۹۔

4۔ منتہی المطلب، علامہ حلی، ج ۴، ص ۲۱۳، حاشیہ۔

5۔ غافر / ۸۴، ۸۵۔

6۔ سیرہ پیشوایان، علی مھدی پیشوائی، ص ۶۰۰، قم۔

7۔ ایضا، / ص / ۵۸۰

8۔ یاد رہے بعض مؤرخین نے یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ یہ اشعار حضرت امام محمد تقیؑ نے ارشاد فرمائے۔ دیکھیے: بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۲۱۱، بحوالہ مروج الذہب، مسعودی؛ کنز الفوائد، ابو الفتح الکراجکی، ص ۱۵۸، قم۔

9۔امالی الشیخ الطوسی، ص ۲۷۶، دار الثقافۃ للطباعۃ و النشر و التوزیع، قم؛ مناقب آل ابی طالب، ابن شہر آشوب، ص ۵۱۶، مطبعہ الحیدریہ، النجف الاشرف۔

10۔ہود / ۶۵ سس

11۔المصباح الکفعمی، ص ۲۰۸، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت؛ مقتل معصومین، صص ۵۱۸ تا ۵۲۲؛ پژوہشکدہ باقر العلوم، قم۔

12۔طوسی، اختیار معرفۃ الرجال، ص ۸۰۴۔

13۔الرعایۃ فی علم الدرایۃ، الشہید الثانی، ص، ۲۶۳، الہامش، مکتبۃ المرعشی النجفی، قم۔ نقل از المسعودی، مروج الذہب، ج ۴ ص ۸۵۔

حضرت زید بن علی کی تحریک میں امام ابو حنفیہؒ کے سیاسی کردار کا تحقیقی جائزہ

سید حیدر عباس واسطی*

حضرت زید بن علی بن حسینؑ نے ۱۲۲ہجری میں اموی حکمران ہشام بن عبدالملک کی حکومت کے خلاف قیام کیا۔ مورخین نے اسے کربلا کے سانحہ کے بعد بنو ہاشم کی طرف سے ایک بڑی مسلح جدوجہد کا نام دے کر ہشام بن عبدالملک کی حکومت کے خلاف اُٹھنے والی تمام انقلابی تحریکوں میں سب سے زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ اس تحریک کا ذکر تمام مورخین نے اپنی تواریخ میں کیا ہے۔اس تحریک کے حوالے سے حضرت زید بن علی کے معاصرین کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے بھی حضرت زید بن علی کی تحریک میں سیاسی کردار ادا کیا تھا اور اُنہوں نے حضرت زید بن علی کی حمایت کے ساتھ ساتھ اُن کی مالی مدد بھی کی تھی لیکن معروف محقق علامہ شبلی نعمانی نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے اسے گمان سے تعبیر کیا ہے جس سے دو نظریے سامنے آتے ہیں۔

(الف) پہلا نظریہ: امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کی تحریک کی سیاسی طور پر حمایت کی اور ان کی مالی مدد کی تھی۔

(ب) دوسرا نظریہ: امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کی تحریک کی سیاسی طور پر حمایت نہیں کی اور نہ اُن کی کوئی مالی مدد کی۔اس مقالے میں دونوں نظریوں کی تائید میں ملنے والی روایتوں کو نقل کرکے اس بات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے کہ ان دونوں نظریوں میں سے کونسا نظریہ درست ہے۔ سب سے پہلے تو پہلے نظریے

*۔ ریسرچ اسکالر/جامعہ کراچی/ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

کی تائید میں ملنے والی روایتیوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔اور پہلی روایت کے طور پر جصاس کی روایت نقل کی جاتی ہے جس میں جصاس نے بیان کیا ہے کہ

"فِي أَمْرِ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ مَشْهُورَةٌ وَفِي حَمْلِهِ الْمَالَ إلَيْهِ وَفُتْيَاهُ النَّاسَ سِرًّا فِي وُجُوبِ نُصْرَتِهِ وَالْقِتَالِ" (1)۔

زید بن علی کے حوالے سے یہ مشہور ہے کہ ابو حنیفہ انکے پاس پوشیدہ طور پر مالی مدد بھیجتے تھے اور ان کی نصرت کو واجب قرار دے کر ان کی نصرت کے لیے جنگ لڑنے کا فتوی دیتے تھے۔اس بات کا ذکر سیاغی نے بھی اپنی کتاب الروض النضیر میں کیا ہے۔ حضرت زید بن علی کی پوری تحریک کا مطالعہ کرنے سے ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی جس سے جصاس کے قول کی تصدیق ہوتی ہو کیونکہ مورخین میں سے کسی ایک نے بھی کسی شخص یا ایسی جماعت کا ذکر نہیں کیا جس نے امام ابو حنیفہ کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید بن علی کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا اس لیے یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔

دوسری روایت محمد بن طلحہ الشافعی کی ہے جس میں اُنہوں نے بیان کیا ہے:

" ابا حنيفة بايعه وكان قد افتى الناس بالخروج منه وكتب اليه ابوحنيفة اما بعد فاتى جمرت اليك اربعة الاف دراهم ولم يكن عهدى غيرها ولولا امانات للناس للحفت بك" (2)۔

ابو حنیفہ نے بیعت کی تھی اور لوگوں کو ان کے ساتھ خروج کرنے کا فتویٰ دیتے تھے اور ابو حنیفہ نے انہیں ایک خط میں لکھا تھا کہ میں آپکی طرف چار ہزار درہم روانہ کرہا ہوں، اسکے علاوہ میرے پاس کچھ اور نہیں ہے۔اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں بھی آپ سے آکر مل جاتا۔ محمد بن طلحہ الشافعی کے اس قول سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کی بیعت کی اور اپنے پیروکاروں کو آپکے ساتھ حکومت کے خلاف جنگ لڑنے کا فتوی دیا اور آپ کی مالی مدد کی۔ لیکن یہ باتیں اشکال سے خالی نہیں ہیں کیونکہ ان باتوں کو طبری، ابن اثیر، ابن خلدون، ابن کثیر، یعقوبی، مسعودی، طقطقی، ابن عساکر یا السیوطی میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ہاں نقل نہیں کیا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اسے تمام مورخین نمایاں طور پر نقل کرتے کہ امام ابو حنیفہ نے حکومت کے خلاف حضرت زید بن علی کا ساتھ دیا تھا۔اس لیے یہ روایت بھی قابل قبول نہیں ہے۔

تیسری روایت الموفق بن احمد بن محمد بن سعید المکی کی ہے جس میں اُنہوں نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کے قیام کے موقع پر ان کی حمایت میں فتوی دیا جس کی عبارت یہ تھی،

" خروجه يضاهي خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر "(3)

یعنی: " اس وقت حضرت زید بن علی کا حکومت کے خلاف خروج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ بدر کے مشابہ ہے۔"

اس روایت پر بھی تحفظات پائے جاتے ہیں کیونکہ اس روایت کا تواریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ الموفق نے ایک اور روایت میں بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے کہا

" انه امام بحق و اعينه بمالي فبعث اليه بعشرة آلاف درهم "(4)

یعنی: " وہ امام برحق ہیں، میں انکی مالی مدد کروں گا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید کو دس ہزار درہم بھیجے۔"

جب کہ زیدیہ فرقہ کی کتب میں رقم کی تعداد تین ہزار درہم بیان ہوئی ہے(5)۔

الموفق کی روایتوں کو محمد بن محمد بن شہاب المعروف ابن البزاز الکردری نے بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حضرت زید بن علی حق پر تھے اسی لیے اُنہوں نے ان کے قیام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہِ وسلم کی جنگ بدر سے تشبیہ دیتے ہوئے اس قیام کی اہمیت کو اُجاگر کیا اور اسے واجب قرار دیتے ہوئے لوگوں کو آپ کی نصرت کرنے کا فتوی دیا اور حضرت زید بن علی کی دس ہزار درہم کی مالی مدد کی۔

الموفق کی ان باتوں کا ذکر کتب تواریخ میں نہیں ملتا جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ الموفق کی یہ روایت درست ہے کیونکہ الموفق نے اس روایت کے ساتھ کسی ایسے طبقے کی نشاندہی نہیں کی جس نے امام ابو حنیفہ کے اس فتوی پر عمل کیا ہو یا کسی جماعت نے یہ دعوی کیا ہو کہ اُس نے امام ابو حنیفہ کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے حضرت زید بن علی کے ہمرکاب ہو کر جہاد میں حصہ لیا۔ اس لیے اس روایت کو بھی کسی ٹھوس دلیل اور شہادت کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا اور یہ تحقیقی نقطہ نظر سے درست معلوم نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح پانچویں روایت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مشہور کتاب تحفہ اثناء عشریہ میں ملتی ہے جسے اُنہوں نے بیان کرتے ہوئے کہا؛

"امام اعظم ابوحنیفہ کوفی نیزبہ صحت امامت حضرت زید بن علی قائل بود وَ اُو را در ایں امر تصویب می نمود" (6)

یعنی: " امام اعظم ابو حنیفہ کوفی حضرت زید بن علی کی امامت کے قائل تھے، ان کے خروج کو درست جانتے تھے اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی ترغیب دیتے تھے۔"

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت زید بن علی کو امام تسلیم کرتے تھے اور اُن کے قیام کو صحیح سمجھتے تھے۔ اسی لیے اُنہوں نے اپنے پیروکاروں کو حضرت زید بن علی کے ساتھ جہاد میں شامل ہونے کا فتویٰ دیا۔ اس بات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت محمد طلحہ شافعی کی مذکورہ روایت سے ملتی جلتی ہے اور ان روایتوں کا مفہوم ایک جیسا ہے۔ یہ دونوں روایتیں تاریخی اعتبار سے ٹھوس معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ کسی مورخ نے ان باتوں کی طرف اشارہ نہیں کیا جس کی بنیاد پر ان روایتوں کو تسلیم کیا جائے۔

چھٹی اور آخری روایت ابوالفرج اصفہانی کی ہے جس میں اُنہوں نے حضرت زید کے قاصد فضل بن زبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے کہا

"قل لزید لك عندی معونة وقوة علی جهاد عدوك فاستعن بها أنت وأصحابك فی الكراع" (7)۔

یعنی: "زید سے کہنا میں انکی مالی مدد کروں گا جس سے وہ جہاد کرنے کے لیے قوی ہوں گے اور اس سے وہ اپنے اصحاب کے لیے سواریوں کا انتظام کریں۔"

ابوالفرج اصفہانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کی مالی مدد کی تھی لیکن کسی تاریخ میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی۔ اصفہانی زیدیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس فرقے کا میلان امام ابو حنیفہ کی طرف پایا جاتا ہے جو فقہی اعتبار سے امام ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل کرتا ہے۔ اس لیے یہ امکان پایا جاتا ہے کہ یہ روایت اصفہانی نے امام ابو حنیفہ سے عقیدت کی بناء پر نقل کی ورنہ کتب تواریخ میں اس روایت سے متعلق کوئی واقعہ نقل نہیں ہوا لہٰذا یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

پہلے نظریے کی تائید میں ملنے والی روایتوں کو اوپر نقل کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کی حمایت کی اور اُنہوں نے حضرت زید بن علی کی جنگ کو جنگ بدر سے مشابہ قرار دیا تھا۔ ان روایتوں سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قبل وہ روایتیں بھی نقل کی جاتی ہیں، جو اس نظریے کی مخالفت میں بیان کی جاتی ہیں، جن کی بنیاد پر دوسرا نظریہ فروغ پایا تاکہ تحقیق سے یہ جانا جاسکے کہ آیا حمایت کرنے اور مالی مدد کرنے والی بات درست ہے یا حقیقت کچھ اور ہے۔ اس بارے میں پہلی روایت الموفق کی کتاب مناقب امام اعظم سے نقل کی جاتی ہے جسے ان سے تمام سیرت نگاروں نے نقل کیا۔ اس روایت میں الموفق نے بیان کیا:

" انبا عبداللہ ابن مالك بن سلیمان سمعت ابی یقول کان زید بن علی ارسل الی ابی حنیفة یدعوہ الی نفسه فقال ابوحنیفة لرسوله۔ لوعلمت ان الناس لایخذلونه ویقومون معه قیام صدق لکنت اتبعه واجاهد معه من خالفه لانه امام حق ولکنی اخاف ان یخذلوہ کما خذلوا ابا۔" (8)

یعنی: "عبداللہ بن مالک بن سلیمان کا بیان ہے کہ اُس نے اپنے باپ سے سنا کہ زید بن علی نے ابو حنیفہ کے پاس اپنا ایک نمائندہ بھیجا اور اپنی بیعت کرنیکی دعوت دی، جس پر امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ! اگر میں یہ جانتا کہ لوگ وقت پر زید بن علی کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور واقعی نیک نیتی اور سچائی کے ساتھ ان کی رفاقت میں کھڑے ہونگے تو میں بھی انکی ضرور پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا۔ کیونکہ وہ امام حق ہیں۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ انہیں دھوکہ دینگے جیسے انہوں نے انکے دادا کو دھوکہ دیا تھا۔"

الموفق کی اس روایت سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اہل کوفہ کے غدر کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے حضرت زید بن علی کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے سے معذرت کی اور جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ الموفق نے اپنی دوسری روایت میں نقل کیا ہے کہ

"قال لرسوله ابسط عذری عندہ وفی غیرھذہِ الروایة اعتذر بمرض یعتریه فی الایام حتی تخلف عنه۔" (9)

یعنی: "قاصد سے کہا: ان سے میری طرف سے معذرت کرنا اور ایک دوسری روایت میں ملتا ہے کہ اُنہوں نے کسی ایسی بیماری کا ذکر کیا، جسکے اُنہیں اکثر دورے پڑتے تھے۔"

الموفق کی اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی کسی بیماری کے عذر کے سبب حضرت زید بن علی کے ساتھ جہاد میں شرکت نہیں کی۔ اس کے علاوہ تیسری روایت بھی الموفق کی ہی ہے جس میں لوگوں کے سوال کرنے پر امام ابو حنیفہ کا جواب نقل کیا گیا ہے جسے الموفق نے اس طرح نقل کیا ہے۔

سئل عن الجهاد معه فقال خروجه يضاهي خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر فقبل له فلم تخلف عنه قال لاجل ودائع كانت عندي للناس عرضتها على ابن ابي ليلىٰ فما قبلها فخفت ان اقتل مجهلا للودائع (10)

یعنی: " لوگوں نے پوچھا: اس جہاد میں جسے آپ نے جنگ بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے مشابہ قرار دیا تھا تو پھر آپ نے اس جہاد میں شرکت کیوں نہیں کی تو انہوں نے جواب دیا: میں نے ابن ابی لیلیٰ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کرنا چاہا لیکن اُنہوں نے منع کر دیا۔ پس مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر لوگوں کی امانتیں ضائع ہو گئیں تو میں جہالت کی حالت میں قتل کر دیا جاؤں گا۔"

الموفق کی اس روایت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کے ساتھ جہاد میں شرکت نہیں کی۔ الموفق نے پہلی روایت میں بیماری کا عذر اور دوسری روایت میں لوگوں کی امانتوں کا ذکر کیا ہے جس سے الموفق کی دونوں باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے اور ان روایتوں پر اشکال پیدا ہوتا ہے۔

معروف محقق محمد ابوزہرہ مصری اپنی کتاب امام ابو حنیفہ میں بیان کرتے ہیں امام صاحب بنی اُمیہ کو کسی طرح بھی شرعی یا دینی لحاظ سے سلطنت کا حقدار یا اہل نہیں سمجھتے تھے، مگر نہ انہوں نے تلوار اٹھائی نہ عملی بغاوت کی (11)۔

دوسرے نظریے کی بنیاد اور پہلے نظریے کی مخالفت کی آخری روایت کے طور پر ہم اس روایت کو نقل کرتے ہیں جس میں علامہ شبلی کہتے ہیں شاہ عبد العزیز نے تحفہ اثناء عشریہ میں لکھا ہے کہ زید بن علی نے بنو اُمیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی، امام صاحب بھی اس میں شریک تھے۔ نامہ دانش وراں کے مولفین نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اس پر یقین نہیں کر سکتے۔ جس قدر تاریخیں اور رجال کی کتب ہمارے سامنے ہیں، ان میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا، اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ ہوتا (12)۔

دونوں نظریوں کی تائید میں بیان کی جانے والی روایتوں کو اوپر نقل کیا گیا۔ابوالفرج اصفہانی امام ابو حنیفہ کی جانب سے حضرت زید بن علی ۔کی مالی مدد کے حوالے سے روایت نقل کرنے والے پہلے شخص ہیں۔ یہ بات اشکال سے خالی نہیں ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ نے اہل کوفہ کے غدر کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے حضرت زید بن علی ۔کے ساتھ جہاد میں شرکت سے معذرت کرلی تھی تو یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت زید بن علی کی مالی مدد کرتے ایسا کرنے کی صورت میں ہشام اور اس کے کارندوں کو اس بات کی اطلاع ہو جاتی تو وہ یقینا حضرت زید بن علی کی مدد کرنے کے جرم میں ان کی سرزش کرتا لیکن تاریخ میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے پتہ چلتا ہو کہ ہشام یا اُس کے کارندوں نے امام ابو حنیفہ سے اس بارے میں کوئی بازپرس کی ہو۔

لہٰذا یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔اس حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت زید بن علی کی ذات سے بعید ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کی جانب سے جہاد میں عدم شرکت کی صورت میں کوئی مالی مدد قبول کرتے۔ حضرت زید بن علی نے اپنی تحریک کے دوران ہر قدم پر اپنے دادا حضرت امام حسینؑ کی پیروی کی اور ان کے رہنماء اصولوں کو اپنایا لہٰذا ان کے پاس ایسے ہی حالات میں حضرت امام حسینؑ کی قائم کردہ ایک روشن مثال تھی کہ عبید اللہ بن الحر الجعفی نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جہاد میں شرکت سے معذرت کرتے ہوئے انہیں مالی مدد کی پیشکش کی جسے حضرت امام حسینؑ نے یہ کہ کر ٹھکرا دیا تھا کہ تم ہماری نصرت کرنے سے گریزاں ہو تو ہم تمہاری مالی مدد لے کر کیا کرینگے۔اس بات کو طبری اور ابن اثیر کے علاوہ دینوری نے بھی اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے:

" فنظر الحسين الى فسطاط مضروب، فسأل عنه، فأخبر أنه لعبيد الله بن الحر الجعفي، وكان من أشراف أهل الكوفة، وفرسانهم۔ فأرسل الحسين اليه بعض مواليه يأمره بالمصير اليه، فأتاه الرسول، فقال: هذا الحسين بن علي يسألك أن تصير اليه۔ فقال عبيد الله: والله ما خرجت من الكوفة الا لكثرة من رأيته خرج لمحاربته وخذلان شيعته، فعلمت أنه مقتول ولا أقدر على نصره، فلست أحب أن يراني ولا أراه۔ فانتعل الحسين حتى مشى، ودخل عليه قبته، ودعاه الى نصرته۔ فقال عبيد الله: (والله اني لأعلم أن من شايعك كان السعيد في الآخرة، ولكن ما عسى أن أغني عنك، ولم أخلف لك بالكوفة ناصرا، فأنشدك الله أن

تحملنی علی هذه الخطة، فان نفسی لم تسمح بعد بالموت، ولکن فرسی هذه الملحقة، والله ما طلبت علیها شیئا قط الا لحقته، و لا طلبنی وأنا علیها أحد قط الا سبقته، فخذها، فهی لك۔ قال الحسین: (أما اذا رغبت بنفسك عنا فلا حاجة لنا الی فرسك" (13)۔

یعنی: "حسین ابن علیؑ بنو مقاتل نامی مقام پر ٹھہرے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں ایک بڑا سا خیمہ نصب ہے۔ آپ نے پوچھا یہ خیمہ کس کا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ خیمہ عبیداللہ بن الحر جعفی کا ہے، جو کوفہ کے اشراف اور رئوساء میں شمار ہوتا ہے۔ حسین ابن علیؑ نے اسے پیغام بھیجا "مجھ سے آکر ملو" قاصد اس کے پاس پہنچا اور پیغام دیا "حسین ابن علیؑ یہاں خیمہ زن ہیں اور تم سے ملنا چاہتے ہیں" جس پر عبید اللہ بن حر جعفی نے جواب دیا، خدا کی قسم میں کوفہ سے یہ دیکھ کر نکل آیا ہوں کہ لوگ حضرت حسینؑ سے جنگ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ میں نے وہاں یہ بھی جان لیا تھا کہ انکے طرفدار اُن سے منحرف ہوگئے ہیں، چنانچہ میں سمجھ چکا ہوں حسینؑ قتل کر دیے جائیں گے اور میں ان کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ ان حالات میں اس بات کا خواہشمند نہیں ہوں ان سے جا کر ملوں یا وہ مجھ سے آکر ملیں۔ حسین ابن علیؑ نے اُس کا یہ جواب سنا تو آپ نے نعلین پہنے اور خود چل کر اسکے خیمے میں گئے اور اُسے اپنی نصرت کرنے کی دعوت دی، جس پر عبیداللہ نے جواب دیا: خدا کی قسم میں جانتا ہوں جو بھی آپ کی نصرت کرے گا، وہ قیامت کے دن سعادت مند ہوگا، مگر میں جانتا ہوں کہ میں آپ کے کسی کام نہ آسکوں گا، میں نے کوفہ سے نکلتے وقت کسی بھی شخص کو نہیں دیکھا جو آپ کی نصرت کرنے والا ہو، لہٰذا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس اقدام پر مجبور نہ کریں۔ میرا جی تا حال موت قبول کر لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ "لیکن میرا یہ تیز رفتار گھوڑا حاضر ہے" خدا کی قسم اس پر سوار ہو کر میں نے جس کا تعاقب کیا، اسے پالیا، مگر جس کسی نے میرا تعاقب کیا، وہ مجھ تک نہ پہنچ پایا۔ یہ گھوڑا آپ لے لیں، یہ آپ کی ملکیت ہے۔ "حسین ابن علیؑ نے جواب میں کہا! جب تم ہماری نصرت کرنے سے گریزاں ہو تو ہم تمہارا گھوڑا لے کر کیا کریں گے۔"

حضرت زید بن علی کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے ان کی شخصیت میں ان کے دادا حضرت امام حسینؑ کی سیرت کی جھلک نظر آتی ہے۔ لہٰذا حضرت زید بن علیؑ کو اپنے قیام کے موقع پر افرادی قوت کی کمی کا سامنا تھا، اسی لیے حضرت زید بن علی نے امام ابو حنیفہ کو اپنی نصرت کی دعوت دی تھی، جس کا ذکر الموفق کی روایتوں

میں تفصیل سے ملتا ہے۔الموفق نے یا کسی بھی سیرت نگار نے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی جس سے پتہ چلتا ہو کہ حضرت زید بن علی نے امام ابو حنیفہ یا کسی دوسرے شخص سے کسی بھی موقع پر کوئی مالی مدد طلب کی۔تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے دادا حضرت امام حسینؑ کی قائم کردہ مثال اور رہنماء اصول کو پس پشت ڈال کر ان کی مالی مدد کو قبول کرتے۔اس لیے اس بات کو قبول نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت زید بن علی اپنے آخری ایام میں اپنے دادا حضرت امام حسینؑ کی سیرت کو فراموش کرتے ہوئے کسی نئی روش کو اختیار کرتے۔لہٰذا یہ روایت وضح کردہ روایت معلوم ہوتی ہے اور اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو مورخین اسے بھی اپنے ہاں نمایاں طور پر نقل کرتے اور بیان کرتے کہ زید بن علی کو جس طرح اپنے قیام کے موقع پر افرادی قوت کا سامنا تھا اسی طرح اُنہیں مالی مدد بھی درکار تھی لیکن ایسی کوئی بات ہماری نظر سے نہیں گزری جس کی بنیاد پر یہ روایت قبول کی جاسکے۔اس مالی مدد کی تعداد بھی غیر معین ہے اور اس پر بھی سیرت نگاروں میں اتفاق نہیں پایا جاتا، کسی نے اسے تین ہزار درہم، کسی نے چار ہزار درہم اور کسی نے دس ہزار درہم قرار دیا ہے۔(14)

ابوالفرج اصفہانی کے بعد دوسرا نام ابو بکر الجصاس کا سامنے آتا ہے جو اصفہانی کے معاصرین میں سے ہیں اور فقہ حنفی سے تعلق رکھتے ہیں اُنہوں نے اس بات کو بڑھاوہ دیتے ہوئے امام ابو حنیفہ کی جانب سے فتوی دینے والی بات بیان کی لیکن فتویٰ کی عبارت اپنے ہاں نقل نہیں کی۔جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ فتوی والی بات غلط ہے اگر یہ بات درست ہوتی تو اصفہانی مالی مدد والی بات کی طرح فتوی والی بات کو بھی ضرور نقل کرتے جس طرح اصفہانی نے صریح طور پر ابراہیم بن عبداللہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا" ویفتی الناس بالخروج معه"(15) یعنی: ''وہ لوگوں کو ان کے ساتھ خروج کرنے کا فتوی دیتے تھے۔''

ابوالفرج اصفہانی امام ابو حنیفہ کی طرف سے حضرت زید بن علیؑ کی مالی مدد کے حوالے سے روایت نقل کرنے والے پہلے شخص ہیں لیکن اُنہوں نے اس اہم بات کا ذکر نہیں کیا تو الجصاس جو اُن کے معاصرین میں سے ہیں اور اُن کے بعد فوت ہوئے اُنہوں نے یہ بات کس طرح اور کہاں سے نقل کی اس بارے میں انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔اس لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ بات عقیدت کی بناپر کہی گئی ہے اور اس

کے اثبات میں کسی قسم کے شواہد نہیں ملتے۔ان دونوں کے بعد الموفق کا نام آتا ہے جن کا تعلق بھی فقہ حنفی سے ہے اور وہ اس بات کی اشاعت میں پیش پیش ہیں اور ان سے ہی دیگر متاخرین اور سیرت نگاروں نے روایتیں نقل کی ہیں جب کہ سیرت نگار نہ تو جصاس کا حوالہ پیش کرتے ہیں اور نہ ہی اصفہانی کا بلکہ الموفق جن کا تعلق چھٹی صدی ہجری سے ہے یا پھر انکے متاخرین میں سے البزاز الکردری الحنفی جن کا تعلق نویں صدی ہجری سے ہے، کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔

سیرت نگاروں نے حضرت زید بن علیؑ کی انقلابی تحریک کے حوالے سے امام ابو حنیفہ کی جانب سے فتوی اور مالی مدد والی باتیں بیان کرکے اس اہم انقلابی تحریک میں اُن کا سیاسی کردار پیش کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ کہا جاسکے کہ امام ابو حنیفہ نے بھی ہشام بن عبدالملک کی حکومت کی مخالفت کی اور اسے ناپسند کیا۔ لیکن اُنکے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ اگر امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علی کے قیام اور ان کی جنگ کو جنگ بدر سے مشابہ قرار دیا تھا تو اس جنگ میں نہ تو وہ خود شریک ہوئے اور نہ ہی اس جہاد میں ان کی کوئی نمائندگی نظر آئی جس سے فتویٰ والی بات بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔

الموفق چھٹی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی وفات ۵۶۸ھ میں ہوئی۔اس لیے الموفق کی روایتیں بھی اشکال سے خالی نہیں ہیں کیونکہ کسی مورخ نے ان کی بیان کردہ باتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا جس سے تھوڑا سا بھی گمان پیدا ہو کہ ان باتوں میں کوئی صداقت ہو سکتی ہے۔ تحقیق کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ حضرت زید بن علیؑ کی تحریک میں امام ابو حنیفہ کی عدم شرکت ان کی سیرت پر کتب لکھنے والے سیرت نگاروں کے لیے ایک ایسا سوال بن گئی ہے جس کے جواب میں اُن کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے جس سے ان کی جہاد میں عدم شرکت والی بات کا دفاع کر سکیں۔

اکثر سیرت نگاروں نے قیاس سے کام لیا ہے اس کا عملی مشاہدہ الموفق کی کتاب مناقب امام اعظم کا اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور نے ۱۹۹۹ء میں کیا جاسکتا ہے۔جس میں مترجم مولانا محمد فیض احمد اویسی بہاولپوری نے اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے یہ بات بیان کی، جب لوگوں نے امام ابو حنیفہ سے اس جہاد میں عدم شرکت کے متعلق سوال کیا تو اُنہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا "آج میں ہجرت کی رات والی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سنت کو ادا کر رہا ہوں"۔ اس کتاب کا اصل نسخہ ہمارے سامنے ہے اور اس میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے کسی بھی موقع پر اپنی زبان سے یہ جملہ ادا کیا ہو۔

تحقیق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ان باتوں میں تھوڑی سی بھی صداقت ہوتی تو تمام مورخین ان باتوں کو ضرور نقل کرتے اور ان کے نتائج کے طور پر حضرت زید بن علیؑ کے قیام کا واقعہ ایک بہت بڑا واقعہ ہوتا اور امام ابو حنیفہ کے پیروکار اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے لیکن کسی تاریخ میں ایسی کوئی بات نظر سے نہیں گزری۔

ان تمام مطالب کی روشنی میں یہ بات کہنا مناسب ہوگی کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید بن علیؑ کے قیام کے موقع پر ان کی حمایت نہیں کی اس لیے مالی مدد والی بات بھی درست نہیں اور علامہ شبلی نعمانی کا موقف درست دکھائی دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ محمد ابو زہرہ مصری نے اس معاملہ پر اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا کہ امام ابو حنیفہ عملی طور تلوار لے کر بنی اُمیہ اور بنی عباس کی حکومت کو ناپسندیدہ قرار دینے کے باوجود میدان میں جہاد کے لیے نہیں نکلے۔اس لیے پہلے نظریے والی بات اشکال سے خالی نہیں اور دوسرے نظریے والی بات درست دکھائی دیتی ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔الجصاص, أحمد بن علی الرازی الجصاص أبو بکر, أحکام القرآن, تحقیق: محمد الصادق قم حاوی, الناشر: داراحیاء التراث العربی, بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج۱، ص۸۷؛الصنعائی، القاضی شرف الدین الحسین بن احمد السیاغی، الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، مطبعۃ السعادۃ تجوار محافظہ قاہرہ۔ ط۔ الاولی۔ ۱۳۴۵ھ، ج۱، ص۴۶؛ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت وملوکیت، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء ص۲۶۷

2۔بلگرامی، اولاد حیدر فوق، آثار جعفریہ، مطبوعہ مکتبہ کاظمیہ، شاہدرہ ٹاؤن لاہور۔ سنہ اشاعت ندارد، ص۲۳؛ الشافعی، امام محمد ابن طلحۃ، عمدۃ المطالب، مطبوعہ قاہرہ، ص۱۸۹۔ سنہ اشاعت ندارد۔

3۔الموفق، احمد المکی، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۶۰؛الکردری، البزاز، محمد بن محمد بن شہاب، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۵۵؛ گیلانی، علامہ سید مناظر احسن، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی۔ طبع پنجم مئی ۱۹۸۳ء، ص۱۵۱؛ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت وملوکیت، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔ ص۔ ۲۶۷

4۔الموفق، احمد المکی، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۶۰؛الکردری، البزاز، محمد بن محمد بن شہاب، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۵۵

5۔عزان، محمد یحییٰ سالم، الامام زید بن علی شعلۃ فی لیل الاستبداد، المطبعۃ دار الحکمۃ الیمانیۃ۔ صنعاء، اطبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء، ص۱۰۰؛ اردکانی، سید ابو فاضل رضوی، شخصیت و قیام زید بن علی، مطبوعہ حوزہ علمیہ، قم، ایران، ص، ۳۳۶، ۳۳۷

6۔شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، تحفہ اثناء عشریہ، اردو ترجمہ دارالاشاعت کراچی، سنہ اشاعت ندارد۔ ص۴۸؛ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء، ص۲۶۷؛ نوری، شیخ حاتم، زید بن علی ومشروعیۃ الثورۃ عند اھل البیتؑ، موسسۃ دائرۃ المعارف الفقہ الاسلامی، قم، ص۶۷

7۔الاصفہانی، ابو الفرج، مقاتل الطالبیین، تحقیق محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۷ء، ص۸۲؛ محلّی، حمید بن احمد بن محمد، الحدائق الوردیہ، داراسامۃ، دمشق، ۱۹۸۵ء۔ (فی مناقب زید بن علی) ص۱۶۔

8۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔ ص۔۲۶۷ الموفق، احمد المکی، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۶۰؛الکردری، البزاز، محمد بن محمد بن شہاب، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۵۵

9۔الموفق، احمد المکی، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، ص۲۶۰؛الکردری، البزاز، محمد بن محمد بن شہاب، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، ص ۲۵۵

10۔ایضاً الموفق، ج۱، ص۔۲۶۱؛ عزان، محمد یحییٰ سالم، الامام زید بن علی شعلۃ فی لیل الاستبداد، المطبعۃ دار الحکمۃ الیمانیۃ۔ صنعاء، ا طبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء، ص۱۰۰؛الکردری، البزاز، محمد بن محمد بن شہاب، المناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، دائرۃ المعارف، حیدر آباد۔۱۳۲۱ھ، ج۱، ص۲۵۵

11۔ابوزہرہ، شیخ محمد ابو زہرہ، الامام ابو حنیفہ: حیاتہ وَعصرہ۔اَراءہ وَفقہ، الطبع ولنشر دار العربی الفکر، قاہرہ، ۱۹۴۵ء، ص۳۶؛ حقانی، عبدالقیوم ،دفاع امام ابوحنیفہ، مطبوعہ القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوھریرہ، نوشہرہ، جنوری ۲۰۰۷ء، ص۲۴۰؛حسین کریمان، سیرۃ وقیام زید بن علیؑ، مطبوعہ شرکت انتشارات علمی وفرہنگی، طہران، ص۲۹۴

12۔سیرت النعمان۔ شبلی نعمانی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی،۔ص۴۴، ۴۳۔

13۔طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، مطبوعہ موسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۸۷۹ھ، ج۴، ص۳۰۸؛الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، اخبار الطوال، مطبوعہ دار الاحیاء الکتب العربیہ، قاہرہ، مصر مطبعۃ: ۱۹۶۰ء، ص۲۵۰، ۲۵۱؛ابن اثیر، محمد بن محمد، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، ۱۹۶۶ء، ج۴، ص۵۱، ۵۰

14۔ محلّی، حمید بن احمد بن محمد، الحدائق الوردیہ، داراساتہ، دمشق، ۱۹۸۵ء، (فی مناقب زید بن علی) ص۱۶، عزان، محمد یحییٰ سالم، الامام زید بن علی شعلۃ فی لیل الاستبداد، المطبعۃ دار الحکمۃ الیمانیۃ، صنعاء، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء، ص۱۰۰؛ بلگرامی، اولاد حیدر فوق، آثار جعفریہ، مطبوعہ مکتبہ کاظمیہ، شاہدرہ ٹاؤن لاہور۔ سنہ اشاعت ندارد، ص۲۳؛الشافعی، امام محمد ابن طلحۃ، عمدۃ المطالب، مطبوعہ قاہرہ، ص۱۸۹۔ سنہ اشاعت ندارد۔ ابو زہرہ، شیخ، محمد ابو زہرہ، الامام ابو حنیفہ: حیاتہ وَعصرہ، اَراءہ وَفقہ، الطبع ولنشر دار العربی الفکر، قاہرہ، ۱۹۴۵ء، ص۷۳۔

15۔الاصفہانی، ابو الفرج، مقاتل الطالبیین، تحقیق محمد حسن محمد حسن اسماعیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۷ء، ص۱۸۳

حسن ظن وسوء ظن

سید مزمل حسین نقوی*

ظن کے معانی گمان کرنے کے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہیں:

الف: حسن ظن ب: سوء ظن

حسن ظن یعنی اچھا گمان، خوش بینی، اچھی سوچ، اس کے مقابلے میں سوء ظن ہوتا ہے یعنی بد گمانی غلط سوچ۔ حسن ظن اور بد گمانی تین طرح کی ہو سکتی ہے۔

(i) اپنے متعلق حسن ظن اور سوء ظن

(ii) دوسروں کے متعلق حسن ظن اور سوء ظن

(iii) خدا کے متعلق حسن ظن اور سوء ظن

اپنے متعلق حسن ظن اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا سوء ظن مفید ہوتا ہے۔ اپنے بارے میں حسن ظن غرور و تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب انسان اپنے متعلق یہ گمان کر لیتا ہے کہ میرے اعمال میرا کردار میری سوچ دوسروں سے بہتر ہے تو وہ غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جبکہ اگر وہ اپنے بارے میں سوء ظن رکھتا ہو تو یہ اس کے لیے ترقی و کمال کا باعث بنتا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

> وہ اپنے اعمال کی کم مقدار سے مطمئن نہیں ہوتے اور زیاد کو زیادہ نہیں سمجھتے۔ اس سلسلے میں وہ خود کو الزام دیتے ہیں۔ اپنے اعمال سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی ایک کو صلاح و تقویٰ کی بناپر سراہا جاتا ہے تو وہ اپنے حق میں کہی ہوئی باتوں سے لرز اٹھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ

*۔مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت) بھارہ کہو، اسلام آباد

میں دوسروں سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہوں اور میرا پروردگار مجھ سے بھی زیادہ میرے نفس کو جانتا ہے۔

خدایا ان کی باتوں پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے متعلق جو یہ حسن ظن رکھتے ہیں مجھے اس سے بہتر قرار دینا اور میرے ان گناہوں کو بخش دینا جو ان کے علم میں نہیں ہیں۔(1)

دوسروں سے حسن ظن اور سوء ظن

ہم سب انسان اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے سے تعلق اور ارتباط ناگزیر ہے۔ ایک دوسرے سے میل ملاپ ہماری ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ حالت اضطراب میں رہتے ہیں۔ نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ بے چینی اور بے سکونی کا شکار ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے والے دوسرے افراد بھی متاثر ہوتے ہیں۔ حسن ظن اس معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے جبکہ سوء ظن سے بداعتمادی کی فضا پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں اجتماعی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حسن ظن سے محبت بڑھتی ہے اور سوء ظن سے نفرت پھیلتی ہے۔ حسن ظن سے نیکیاں بڑھتی ہیں اور سوء ظن سے برائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

حسن ظن سے ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں اور سوء ظن سے گمراہیاں جنم لیتی ہیں۔ مثلاً آپ باہر سے تشریف لائے۔ اندر دو آدمی باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آپ پر نظر پڑی تو مسکرا دیے اب اگر آپ نے سوء ظن کیا۔ بدگمانی سے کام لیا۔ یعنی یہ سمجھ لیا کہ یہ مجھ پر ہنسے ہیں۔ یہ ضرور میرے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اب آپ کے دل میں ان کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ آپ موقع کی تلاش میں رہیں گے کہ مجھے موقع ملے تو میں اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں۔ آپ کو موقع ملا آپ نے ان کی بے عزتی کر دی۔ جب آپ نے ان کی بے عزتی کی تو ان کے دلوں میں بھی کدورت پیدا ہو گئی۔ یوں بات آگے بڑھتی جائے گی۔ نہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے نہ بات چیت کریں گے۔ گویا قطع تعلق کر لیں گے جو کہ انتہائی سخت گناہ ہے۔ دین سے خارج ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اسی لیے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"آفۃ الدین سوء الظن" (2)

یعنی: "سوء ظن دین کے لیے آفت ہے۔"

یعنی بد گمانی دین کو خراب کر دیتی ہے۔ جو شخص دوسروں سے سوء ظن رکھتا ہے وہ شیطان کے دام میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ادائیگی حق میں کوتاہی کرتا ہے۔ مخالف کے احترام کا قائل نہیں رہتا۔ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی غیبت کو جائز سمجھتا ہے۔ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔ گویا خود پسندی اور تکبر کا شکار ہو جاتا ہے۔

لیکن اس مذکورہ مثال میں اگر آپ حسن ظن سے کام لیں تو محبت بڑھے گی۔ آپ نے انھیں مسکراتے ہوئے دیکھا تو یہ سمجھ لیا کہ انھوں ے مجھے مومن سمجھا ہے۔ اسی لیے مسکرائے ہیں۔ کیونکہ مومن کو دیکھ کر مسکرانا بھی عبارت ہے۔ پس اس سے آپ کے دل میں ان کے لیے محبت بڑھے گی۔ جب محبت بڑھے گی تو آپ ان کے کام آئیں گے وہ آپ کے کام آئیں گے۔ یوں زندگی خوشگوار ہو جائے گی۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ حسن ظن سے فائدہ اٹھائو اس سے دلوں کو آرام ملتا ہے۔ نیز امیر المومنینؑ فرماتے ہیں،

"حسن الظن راحة القلب وسلامة البدن" (3)

یعنی: "حسن ظن دل کا سکون اور بدن کی سلامتی کا باعث بنتا ہے۔"

اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ پر سکون رہے، اس کی زندگی مطمئن انداز میں گزرے تو اسے حسن ظن کو اپنانا ہوگا۔ سوء ظن سے اجتناب کرنا ہوگا۔ دوسروں کے افعال و کردار کی اچھی توجیہ کرنا ہوگی۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"ضع امر اخيك على احسنه حتى يأتيك ما يغلبك من ولا تظنن بكلمة خرجت من اخيك سوئً او انت تجدلها فى الخير محملاً" (4)

یعنی: "اپنے بھائی کے کردار کی بہترین تاویل کرو۔ یہاں تک کہ کوئی یقینی دلیل اس کے خلاف قائم ہو جائے۔ جب بھی تیرے بھائی کے منہ سے کوئی جملہ نکلے اگر اس میں ایک بھی اچھا احتمال ہو تو اس کے متعلق سوء ظن نہ کرو۔"

علامہ مہدی نراقی کہتے ہیں:

کسی مسلمان کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے متعلق سوء ظن رکھے۔ بد گمانی کا شکار ہو۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو دوسرے کے افعال و گفتار کو صحیح سمجھے۔ کبھی بھی انھیں برائی پر محمول نہ

کرے۔جب بھی کسی مسلمان کا کوئی عمل دیکھے یا کوئی بات سنے تو جہاں تک ممکن ہو اس کی صحیح توجیہ کرے۔اپنے خیال کی تکذیب کرے۔اس طرز تفکر پر قائم رہے۔یہاں تک کہ حسن ظن اس کی عادت بن جائے اور بد گمانی کی فکر ختم ہو جائے۔ہاں اگر حسن ظن، عزت وآبرو کے جانے، مال و متاع کے تلف ہونے یا دین کے خراب ہونے کا باعث بنے تو پھر اس سے اجتناب ضروری ہے۔(5)

حسن ظن کے اثرات

1) حسن نیت: عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔عمل کا صحیح ہونا خلوص نیت پر مبتنی ہے۔اگر نیت خالص نہ ہو تو عمل بھی معیوب ہوتا ہے۔اسی لیے عمل کی پاکیزگی کا معیار حسن نیت کو قرار دیا گیا ہے اور حسن نیت حسن ظن سے جنم لیتی ہے۔امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"من حسن ظنه حسنت نیته"

یعنی: "جس کا گمان اچھا ہوگا اس کی نیت اچھی ہو گی۔"

2) محبت بڑھتی ہے، دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"من حسن ظنه بالناس حاز منهم المحبة" (6)

یعنی: "جو لوگوں سے حسن ظن رکھتا ہے وہ ان کی محبت کو حاصل کر لیتا ہے۔"

3) آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔فرماتے ہیں:

"من احسن الی الناس حسنت عواقبه و سهلت له طرقه" (7)

یعنی: "جو لوگوں کے متعلق اچھا سوچتا ہے ان کا انجام اچھا ہوتا ہے اور اس کے لیے راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔"

4) غم کم ہو جاتے ہیں۔امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"حسن الظن یخفف الهم وینجی من تقلد الاثم" (8)

یعنی: "حسن ظن غموں کو کم کر دیتا ہے اور گناہوں کے چنگل سے محفوظ رکھتا ہے۔"

5) بہترین ہدیہ۔امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

" حسن الظن من اکرم العطایا وافضل السجایا " (9)

یعنی: " حسن ظن بہترین ہدیہ اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔"

بدگمانی کے اثرات

1. پریشانی بڑھ جاتی ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"من ساء ظنه تأمل" (10)

یعنی: " جو بدگمانی کرتا ہے وہ ہمیشہ پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔"

2. بدترین گناہ۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

" سوٴ الظن بالمحسن شر الاثم واقبح الظلم" (11)

یعنی: " نیک انسان سے بدگمانی بدترین گناہ اور بدترین ظلم ہے۔"

3. امور کو خراب کر دیتا ہے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

" سوٴ الظن یفسد الامور ویبعث علی الشرور" (12)

یعنی: " بدگمانی امور کو خراب کر دیتی ہے اور شرور پر ابھارتی ہے۔"

4. دوستی ختم ہو جاتی ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"من غلب علیه سوٴ الظن لم یترك بینه وبین خلیله صلحا" (13)

یعنی: " جس پر سوء ظن غالب آجائے اس کے اور دوست کے درمیان دوستی نہیں رہتی۔"

خدا کے متعلق حسن ظن اور سوء ظن

جس طرح لوگوں سے حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے اور سوء ظن سے منع کیا گیا ہے اسی طرح خدا سے بھی حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور سوء ظن سے منع کیا گیا ہے۔ خدا سے سوء ظن رکھنا، اس سے مراد یہ ہے کہ رحمت الٰہی سے ناامید ہو جانا۔ مثلاً کسی سے خدانخواستہ کوئی گناہ ہو گیا ہے اب وہ خدا سے مایوس ہو گیا ہے کہ وہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ ہر قسم کا سوء ظن برا ہے لیکن خدا کے متعلق سوء ظن گناہ عظیم ہے۔ اس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ قرآن نے انھیں کافر اور گمراہ کہا ہے۔

”وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ“

یعنی: ” اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ خدا کی رحمت سے صرف کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔“ (14)

ایک اور مقام پر فرمایا:

”وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ“ (15)

یعنی: ” گمراہ افراد کے علاوہ کون اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔“

صاحبان عقل و تقویٰ اپنے خدا کی نسبت سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ وہ اس سے کبھی منحرف نہیں ہوتے۔ یہ بات قابل تعجب نہیں ہے کیونکہ انھوں نے خدا سے ایسی چیزیں دیکھ رکھی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ خدا سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ اچھا گمان رکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا ان کے ساتھ رحمت و احسان کا معاملہ کرے گا۔ دنیا و آخرت میں ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔

گویا ہر حال میں بندے کو خدا سے اچھی اور اچھے کی امید رکھنی چاہیے رسول خداؐ اپنی زندگی میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کی تلقین کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

” انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم“ (16)

میں اپنے بندے کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھے گا۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے مجمع میں یاد کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہوتا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے اپنی رحلت کے وقت جن اہم باتوں کی مسلمانوں کو وصیت کی اس میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھا کرو فرماتے ہیں کہ بندے کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہیے خواہ وہ اپنی ذات سے متعلق ہو۔ کسی مسلمان سے متعلق ہو یا مسلمان قوم و اسلام سے متعلق ہو۔

اسی طرح عبادت میں بھی خدا سے حسن ظن رکھنا چاہیے۔ مثلاً نماز پڑھی ہے تو یہ نہ کہے کہ معلوم نہیں خدا قبول کرے گا بھی یا نہیں بلکہ خدا سے حسن ظن رکھے کہ ان شاء اللہ ضرور قبول کرے گا۔ وہ کریم ذات ہے۔ اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔ وہ تھوڑے کے بدلے زیادہ دینے والا ہے جو شخص عبادت کے بعد بد گمانی کرتا ہے تو اس کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے، امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

ایاك ان تسئی بالظن فان سوٴ الظن یفسد العبادة (17)

البتہ یہ بھی یاد رہے کہ اپنی عبادت پر غرور نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اتنی عبادت کی ہے اب یقیناً جنت میں جاؤں گا۔ کوئی مجھے دوزخ میں نہیں بھیج سکتا۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ عبادت کرنے کے بعد خدا سے یہ حسن ظن رکھیں کہ وہ اپنی رحمت کے سبب میری عبادت کو قبول کرے گا۔ اپنے فضل کے ذریعے جنت عطا کرے گا۔ حدیث قدسی میں خدا فرماتا ہے۔

> وہ افراد جو ثواب کی خاطر میرے لیے عمل کرتے ہیں انھیں اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ جتنی بھی کوشش کرلیں اور اپنے نفسوں کو تھکا دیں۔ میری عبادت انھیں بے حال کر دیے۔ تب بھی وہ مقصر ہیں۔ میری عبادت کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ میری کرامت، میری نعمات جنت میری قربت اور بلند درجات کو نہیں پا سکتے۔ لیکن اگر انھیں میری رحمت پر بھروسہ ہے۔ میرے فضل کی امید رکھتے ہیں اور میرے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں تو پھر مطمئن ہو جائیں۔ میری رحمت انھیں گھیر لے گی۔ میں وہ خدا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ (18)

حسن ظن ہی انسان کو کامیاب کر سکتا ہے۔ انسان جتنی بھی عبادت کرلے حق عبادت ادا نہیں ہو سکتا۔ ہماری عبادت ویسے بھی ناقص ہوتی ہے۔ نماز پڑھتے ہیں تو دسیوں خیالات ذہن میں آتے ہیں۔ نماز کی تمام شرائط کو مد نظر نہیں رکھتے۔ خشوع و خضوع نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر سب کچھ کامل ہو۔ صحیح ہو، تمام شرائط کے ساتھ ہو تب بھی عظمت الٰہی کے سامنے اس کی کیا حیثیت ہے۔

امام سجادؑ جنھیں زین العابدین کہتے ہیں وہ خدا کے سامنے عجز وانکساری کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”ما عبدناحق عبادتك“ یعنی: ”اے پروردگار ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔“ جب ائمہ معصومینؑ یہ فرماتے ہیں تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے عبادت کا حق ادا کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم جتنی بھی عبادت کر

لیں خدا کی عظمت کے آگے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان اپنی عباتوں کے ذریعے میری جنت اور بلندی درجات کو نہیں پا سکتا۔ لیکن میری رحمت اور مجھ سے حسن ظن کے طفیل یہ چیزیں حاصل کر سکتا ہے۔

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان عبادت کرنا چھوڑ دے۔ نیک اعمال کو ترک کر دے۔ اعمال ضروری ہیں لیکن ان پر بھروسہ نہیں ہونا چاہیے۔ عمل کرنے کے بعد حسن ظن رکھیں۔ وہ شخص بے وقوف ہے جو عمل نہیں کرتا لیکن رحمت کی امید رکھتا ہے۔ کوئی کسان ایسا نہیں ہے جو بیج نہ بوئے اور پیداوار کی امید رکھے۔ لہٰذا عمل کریں پھر خدا کی رحمت کی امید رکھیں۔ قرآن کریم میں خدا فرماتا ہے:

" وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ " (19)

یعنی: " اور اسے ڈرتے ہوئے اور امیدوار بن کر پکارو، یقیناً خدا کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔"

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کو اس سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ کوئی مومن اس سے حسن ظن رکھے اور وہ اس کے ظن کو پورا نہ کرے۔ پس اچھے عمل کرنے کے بعد خدا سے حسن ظن رکھیں اگر خدا نخواستہ کوئی گناہ ہو گیا ہے تب خدا سے بخشش کی امید رکھے اور حسن ظن رکھے۔

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اعمال جو اس نے مخلصانہ انجام دیے ہیں بغیر کسی وجہ سے خدا انھیں مسترد کردے گا اور جو کام اس نے نہیں کیے یا غیر اختیاری طور پر کیے ہیں ان کی سزا دے گا۔ یا یہ گمان رکھے کہ خدا مشرکین، دشمنان دین، ظالموں اور انبیاء و ائمہ معصومین کی تکذیب کرنے والوں اور انھیں شہید کرنے والوں کو بخش دے گا۔ انھیں اجر و ثواب سے نوازے گا۔ حتیٰ کہ جس کی تمام عمر اطاعت خدا میں گزری ہے اسے اسفل السافلین میں بھیج دے گا۔ جس نے تمام عمر خدا کی نافرمانی اور رسول خداؐ کی دشمنی میں گزاری ہے اسے اعلیٰ علیین میں جگہ دے گا۔ نیک و بد خدا کے نزدیک برابر ہیں تو یہ سب بھی خدا کے متعلق سوء ظن ہے۔

جو یہ گمان کرتا ہے کہ ایک شخص خدا سے بڑے اشتیاق سے دعا مانگتا ہے۔ آہ وزاری کرتا ہے، تضرع کرتا ہے۔ اس سے مانگتا ہے۔ اس کی مدد کا طلب گار ہے۔ اس پر توکل کرتا ہے۔ لیکن خدا اسے مایوس کردے گا۔ اس کی دعا و طلب کو پورا نہیں کرے گا وہ بھی خدا کی نسبت بد گمان ہے۔

بعض لوگ خدا کی نسبت بدگمان ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان کا حق ضائع کر رہا ہے۔ جو خدا نے انھیں دیا ہے وہ اس سے زیادہ کے حق دار تھے۔ گویا وہ سمجھ رہے ہیں کہ خدا نے ان پر ظلم کیا ہے۔ ان کا حق نہیں دیا ہے۔ اگرچہ وہ ان باتوں کو زبان پر نہیں لاتے لیکن دل میں خیال کرتے ہیں تو یہ بھی بدگمانی اور سوء ظن میں آئے گا۔

گناہوں کے بعد سوء ظن

بعض افراد گناہوں کے بعد خدا سے سوء ظن رکھتے ہیں کہ اب توبہ کر بھی لیں تو خدا معاف نہیں کرے گا۔ یہ بھی خدا کی نسبت بدگمانی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اگر گناہ ہو گیا ہے تو توبہ کریں اور خدا سے بخشش کی امید رکھیں کہ وہ ضرور معاف کر دے گا۔

سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔" (20)

یعنی: "کہہ دیجیے اے میرے بندوں جنھوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے وہ بھی رحمت خدا سے مایوس نہ ہوں، یقیناً خدا تمھارے سارے گناہ معاف کر دے گا بے شک وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

مقدرات الٰہی کے متعلق سوء ظن

بعض افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ہمیں غریب بنا دیا فلاں کو امیر بنا دیا۔ ہم مریض ہیں وہ صحت مند ہے۔ ان کی اولاد صحیح و سالم ہے اور ہماری اولاد ناقص الخلقت ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں سوچنا چاہیے کیونکہ دنیا دار البلا ہے۔ آزمائش کی جگہ ہے۔ اصل زندگی آخرت کی ہے۔ وہ ہمارا امتحان لیتا ہے۔ کبھی دولت دے کر آزماتا ہے کہ کیا یہ میرے واجبات ادا کرتا ہے۔ غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ خمس زکوۃ دیتا ہے۔ حج و زیارات کرتا ہے اور کبھی غربت دے کر آزماتا ہے کہ یہ غربت کے باوجود کیا میرا شکر ادا کرتا ہے۔ اس طرح صحت و بیماری کے ذریعے آزماتا ہے۔

البتہ اولاد کے ناقص الخلقت پیدا ہونے میں زیادہ تر قصورماں باپ کا ہوتا ہے۔ وہ شریعت کے بنائے ہوئے اصولوں کا خیال نہیں رکھتے اس لیے ایسا ہو جاتا ہے۔اسی طرح جب سیلاب یا زلزلہ آتا ہے تو سوء ظن کرتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے عذاب ہے۔ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس میں نیک اور برے دونوں افراد کا فائدہ ہوتا ہے۔امام صادقؑ فرماتے ہیں:

ان آفات میں دونوں کا فائدہ ہوتا ہے۔نیک افراد جب مرتے ہیں تو گویا انھیں دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے اور برے لوگوں کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس زندگی کے وہ عادی ہو چکے ہوتے ہیں اس سے ان کی سزا میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب ان کی موت آتی ہے تو ان کے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ زیادہ سزا سے بچ جاتے ہیں۔(21)

پس خدا سے ہر حال میں حسن ظن رکھیں اور سوء ظن سے پرہیز کریں۔

*****

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۱، خطبہ ہمام

2۔ علی بن محمد الواسطی، عیون الحکم والمواعظ، ص ۱۸۲

3۔ علی بن محمد الواسطی، عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۲۹

4۔ کلینی، الکافی، ج ۲، کتاب الایمان والکفر، باب التھمۃ، ح ۳، ص ۳۶۲

5۔ جامع السعادات، ج ۱، ص ۲۵۴، حسن ظن

6۔ علی بن محمد الواسطی، عیون الحکم المواعظ، ص ۴۳۵، باب ۲۴

7۔ علی بن محمد الواسطی، عیون الحکم المواعظ، ص ۴۴۹

8۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۲۸

9۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۲۸

10۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۴۵۱

11۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۸۴

12۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۲۸۳

13۔ عیون الحکم والمواعظ، ص ۴۳۳

14۔ یوسف: ۸۷

15۔ حجر: ۵۶

16۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب توحید، ج ۸، ص ۱۷۱

17۔ غرر الحکم، ۲۷۰۹ و ۵۷۴۸

18۔ شیخ طوسی، الامالی ص ۲۱۲، ح ۱۸/۳۶۸

19۔ اعراف: ۵۶

20۔ زمر: ۵۳

21۔ مجلسی، بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۳۹

ولایت فقیہ اور امام خمینیؒ

سید حسنین عباس گردیزی*

عربی زبان میں ''فقہ'' گہرے فہم وادراک کے معنی میں ہے۔ قرآن کریم، احادیث نبویؐ اور اقوال ائمہ ہدیٰؑ میں بار بار '' تفقہ فی الدین'' کا حکم دیا گیا ہے۔ ان موارد سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمام مسلمان اسلام کو ہر لحاظ سے خوب اچھی طرح سمجھیں۔ اس کے مسائل و احکام کو گہری اور عمیق نظروں سے دیکھیں اور کمال بصیرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔ البتہ یہ '' تفقہ فی الدین '' جس کی اسلام تاکید کرتا ہے اسلام کے تمام پہلوئوں پر حاوی ہے خواہ وہ عقائد ہوں، اخلاقیات ہوں یا تربیت کے اسلامی اصول ہوں، اسلامی عبادات، یا قوانین اسلامی ہوں یا انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق خاص آداب ہوں۔

لیکن فقہ کی وہ اصطلاح جو دوسری صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں رائج ہوئی، اس سے مراد ''اسلامی قوانین و احکام کا ان کے مأخذ اور مصادر سے استنباط'' ہے۔ دوسرے الفاظ میں دقیق اور عمیق انداز سے اسلامی ماخذ سے اس کے احکام و قوانین کے سمجھنے کو فقہ کہا جاتا ہے۔ جہاں تک ''ولایت '' کے کلمے کا تعلق ہے تو اِس کا لفظی مطلب ''کسی امر کی سرپرستی کرنا'' اس کی ذمہ داری قبول کرنا اور قیادت و راہنمائی کرنا۔

*۔مدرس جامعۃ الرضا و مدیر اعلیٰ مجلّہ نور معرفت، بارہ کہو، اسلام آباد

1. اور فقیہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین کا گہرا اور عمیق فہم رکھتا ہو اور اسلامی قوانین اور احکام کو ان کے مأخذ (Sources) سے اخذ کرنے کی مہارت رکھتا ہو۔
2. ''فقیہ'' اور ''ولایت'' کے مفردات کی توضیح کے بعد ''ولایت فقیہ'' کی اصطلاح کا معنی آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک اسلامی معاشرے کی سرپرستی اور قیادت کا ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہونا جو دین اسلام کا عمیق فہم رکھتا ہو، اسلامی قوانین اور احکام کو ان کے اصلی مأخذ (Sources) سے اخذ کر سکتا ہو اور اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اُن کی تفسیر کر سکتا ہو۔

یہاں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ ولایت حکومت و سرپرستی کے معنوں میں بنیادی طور پر فقط ذات باری تعالیٰ کا حق ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو یہ حق اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اور ان کے بعد ائمہ ہدیٰؑ اس کی کامل اہلیت رکھتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد امت کی رہبری اور قیادت اور حکومت کے اختیارات اُن کے سپرد ہیں۔ ان کے بعد وہ امور جو فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں ان کی سرپرستی وذمہ داری اور امت کی قیادت اور راہنمائی فقیہ کا کام ہے اور اسی نظریے کو ولایت فقیہ کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اس فقیہ کو جو یہ فریضہ انجام دیتا ہے، ولی فقیہ اور حاکم شرع بھی کہا جاتا ہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا ایک فقیہ کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں تو اس حوالے سے ایک معاصر محقق نے اس عنوان پر شیعہ و اہل سنت دونوں ذرائع سے احادیث و روایات کو پیش کیا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ امت کے درمیان متفقہ مسئلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ولایت فقیہ کا تصور اس کی تصدیق کے لیے کافی ہے یعنی اگر انسان ولایت فقیہ کا مطلب صحیح طور پر سمجھ لے تو وہ خود بخود اس کے ثبوت کا قائل ہو جائے گا اور اسے ثابت کرنے کے لیے مزید دلائل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

آج کے دور میں اس عنوان پر گفتگو کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے، اور اس کے کئی پہلو ہیں۔ اس مقالے میں ہم صرف حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی

ذات کے حوالے سے اس موضوع پر چند باتیں عرض کی جائیں گی۔ شاید بعض افراد کے ذہنوں میں یہ بات ہو کہ " ولایت فقیہ " کے نظریے کو سب سے پہلے امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ نے پیش کیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، خود امام خمینیر ضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

" موضوع ولایت فقیہ چیزتازہ ای نسبت کہ ماآوردہ باشیم، بلکہ این مسأله ازاول مورد بحث بودہ است"

یعنی: " ولایت فقیہ کی بحث کوئی نئی چیز نہیں ہے جسے ہم پیش کر رہے ہیں، بلکہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے زیر بحث رہا ہے۔" (1)

اس نظریے کے دلائل خود قرآن مجید اور احادیث معصومینؑ میں موجود ہیں۔ علماء نے عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل سے اِسے ثابت کیا ہے۔ فقہاء کے درمیان فقیہ کی ولایت کا مسئلہ مسلم وضروری مسائل میں سے ہے۔ جو انسان بھی فقہ سے آگاہ ہے اور اس کے مختلف ابواب کا مطالعہ رکھتا ہے، وہ فقیہ کی ولایت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اِس موضوع کے بارے میں بزرگ فقہا نے اپنی کتب میں مختلف مقامات پر بحث کی ہے۔

شیخ محمد حسن نجفی اصفہانی (متوفی ۱۲۶۶ ہجری) کتاب "جواہر الکلام" کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کو شیعہ فقہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ فقہ کی مفصل ترین کتاب ہے۔ کوئی بھی مجتہد اپنے آپ کو جواہر سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے اس کی پچاس جلدیں ہیں اور تقریباً ۲۰ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

شہید مطہریؒ اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی ہر سطر علمی مطالب سے پُر ہے۔ ایک صفحہ کے مطالعے کے لیے بھی بہت زیادہ وقت درکار ہے۔ اس کتاب کی تالیف پر کتنی توانائی اور محنت صرف ہوئی ہو گی۔ اس حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ مسلسل ۳۰ سال کی کاوش، لگن، خلوص اور سچے جذبے کی بدولت یہ عظیم فقہی شاہکار وجود میں آیا ہے" (2)

اس کتاب کے مصنف کے نزدیک "ولایت فقیہ" کا مسئلہ واضحات میں سے ہے اور اِسے ثابت کرنے کے لے استدالال کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وبالجملہ فالمسألۃ من الواضحات التی لا تحتاج الی الادلۃ" (3)

یعنی " یہ مسئلہ ان واضحات میں سے ہے کہ جن پر دلائل پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اسی طرح وہ ولایت فقیہ کو ضروری اور مسلم امور میں سے قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"لکن ظاھر الاصحاب عملاً وفتوی فی سائر الابواب عمومھا بل لعلہ من المسلمات او الضروریات عندھم" (4)

یعنی: "اصحاب کے ابواب فقہ میں عمل اور فتویٰ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فقیہ کی ولایت عمومیت رکھتی ہے بلکہ " ولایت " کا عمومی ہونا فقہاء کے نزدیک مسلمات یا ضروریات میں سے ہے۔"

وہ ایک اور مقام پر اظہار فرماتے ہیں کہ ائمہ معصومینؑ کی نیابت فقیہ کے لیے بہت سارے موارد میں اس طرح ثابت ہے کہ امام اور فقیہ کے منصب میں کوئی فرق نظر نہیں آتا اور فقیہ امام کے تمام منصبوں میں نائب ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ فقہاء کے درمیان ولایت فقیہ ایک مسلم امر اور قطعی مسئلہ ہے کیونکہ فقہی کتب حاکم کی طرف رجوع کرنے سے پُر ہیں اور زمانہ غیبت میں حاکم سے مراد نائب امام ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

"فمن الغریب وسوسۃ بعض الناس فی ذلک بل کأنّہ ماذاق من طعم الفقہ شیئا ولا فھم من لحن قولھم و رموزھم امراً ولا تأمل المراد من قولھم " انیّ جعلتُہ علیکم حاکما وقاضیاً وحجۃً وخلیفۃ " ونحو ذلک مما یظھر منہ ارادۃ نظم زمان الغیبۃلشیعتھم فی کثیر من الامور الراجعۃ الیھم ولذا جزم فیما سمعتہ من المراسم بتفویضھم (ع) لھم فی ذلک نعم لم یأ ذنوا لھم فی زمن الغیبۃ ببعض الامور التی یعلمون عدم حاجتھم الیھا کجھاد الدعوۃ المحتاج الی سلطان وجیوش وامراء ونحوذلک مما یعلمون قصور الید فیھا عن ذلک ونحوہ" (5)

یعنی ''ولایت فقیہ میں بعض لوگوں کا شک کرنا بڑا عجیب ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے فقہ کا ذائقہ ہی نہیں چکھا اور معصومینؑ کے اقوال اور کلمات کے مفہوم اور رموز کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ انہوں نے ان کے اس قول میں غور و فکر نہیں کیا کہ ''میں انہیں تم پر حاکم، قاضی، حجت اور خلیفہ قرار دیتا ہوں'' اسی طرح دیگر اقوال جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ غیبت میں شیعوں کے امور کو منظّم کرنے کے لیے فقہاء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے سُنا ہے سلار نے اسی وجہ سے اپنی کتاب ''المراسم'' میں قاطعانہ رائے قائم کی ہے کہ ائمہؑ نے یہ امور فقہاء کو تفویض کر دیے ہیں۔ البتہ، چند چیزیں ایسی بھی ضرور موجود ہیں جن میں زمانہ غیبت میں ائمہؑ نے فقہاء کو اجازت نہیں دی ہے۔ اور یہ وہ امور ہیں جن کی فقہاء کو ضرورت ہی پیش نہیں آنا تھی۔ مثال کے طور پر ''دعوت کا جہاد'' کہ جس میں بادشاہ، لشکر اور لشکر کے سپہ سالاروں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان امور میں معصومینؑ کو علم تھا کہ یہ چیزیں فقہاء کے پاس نہیں ہوں گی۔

آیۃ اللہ حاج آقا رضا ہمدانی قدس سرہ فرماتے ہیں: مجتہدین و فقہاء کے اقوال میں تحقیق و جستجو سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ کے ہر باب میں فقیہ کی ولایت مسلمہ امور میں سے ہے۔ (6)

مرجع بزرگ آیۃاللہ العظمیٰ نائینی قدس سرہ نے اپنی کتاب '' تنبیہ الاّمہ وتنزیہ الملّۃ''میں فرمایا ہیکہ مذکورہ فرائض (یعنی نظام اسلام کی حفاظت، مرکز اسلام کی حفاظت و دفاع اور ممالک اسلامیہ کا انتظام) میں بطور نائب عام فقہاء کی نیابت مذہب شیعہ کے قطعی امور میں سے ہے۔ (7)

جن بزرگ فقہاء نے ولایت فقیہ پر امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلے بحث کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

1. آیۃ اللہ العظمیٰ محقق نراقی طاب ثراہ نے اپنی کتاب ''عوائد الایام'' میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ (8)
2. شیخ اعظم مرتضی انصاری (متوفی ۱۲۸۱ھ) ولایت فقیہ کے مسئلہ کو مختلف مقامات پر زیر بحث لائے ہیں۔ بطور مثال تنازعات اور یتیم بچوں کے اموال کی دیکھ بھال میں

جب ان کا کوئی سرپرست موجود نہ ہو، اسی طرح غائب اور گمشدہ اموال کی حفاظت کے موضوعات میں اپنی کتاب مکاسب میں امام مہدیؑ کی درج ذیل توقیع سے ولایت فقیہ کے ثبوت پر استدلال قائم کرتے ہیں۔ توقیع یوں بیان ہوئی ہے:

"عن محمد بن عصام، عن محمد بن یعقوب، عن اسحاق بن یعقوب، قال: سالت محمد بن عثمان العمری ان یوصل لی کتاباً قد سئلت فیه عن مسائل اشکلت علیّ۔ فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمانؑ۔ " امّا ماسألت عنه ارشدك الله۔۔۔ واما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا، فانّهم حجتی علیکم وانا حجّة الله" (9)

یعنی: "جہاں تک پیش آنے والے حوادث کا تعلق ہے تو اُن میں ہماری احادیث کے بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو کہ وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔"

مرحوم شیخ اعظم انصاریؒ مذکورہ بالا توقیع شریف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"والحاصل ان لفظة الحوادث لیس مختصّاً بما اشتبه حکمه ولا بالمنازعات" (10)

یعنی: "خلاصہ یہ ہے کہ حوادث (واقعات) کا لفظ تنازعات اور مشتبہ حکم سے مختص نہیں ہے۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

"وعلی ای تقدیر، فقد ظهر مما ذکرنا ان ما دلّ علیه هذه الادلة هو ثبوت الولایة للفقیه فی الامور التی یکون مشروعیة ایجادها فی الخارج مفروغاً عنها بحیث لو فرض عدم الفقیه کان علی الناس القیام بها کفایة" (11)

یعنی: " بہر حال، جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دلائل جس امر پر دلالت کرتے ہیں وہ فقیہ کے لیے اُن اُمور میں ولایت کا ثبوت ہے کہ جن کی معاشرے میں انجام دہی کا جواز مسلم ہے۔ یہاں تک کہ اگر فقیہ دستیاب نہ ہو تو خود لوگوں پر ان امور کی انجام دہی واجب کفائی ہو گی۔"

اسی طرح انہوں نے دیگر کتب میں بھی تفصیل سے ولایت فقیہ پر بحث کی ہے۔ (12)

3. آیۃ اللہ العظمیٰ محقق نائینی قدس اللہ نفسہ الزکیہ نے "تنبیہ الامہ" میں ولایت فقیہ پر روشنی ڈالی ہے۔(13)
4. آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب "البدر الزھر" میں اختصار سے ولایت فقیہ کو موضوع بحث بنایا ہے۔(14)

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "البیع" کی دوسری جلد میں جو آپ نے اپنے ہاتھوں سے تحریر فرمائی، "ولایت فقیہ" اور "حکومت اسلامی" کی تشکیل کی ضرورت پر بہت سے عقلی و نقلی دلائل بیان کیے ہیں۔آپ نے پہلی مرتبہ اس موضوع کو کامل ترین اور موثر انداز میں بیان کیا ہے جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔آپ نے اس موضوع کے تمام پہلوئوں پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

آپ نے اس موضوع کو جس روشن، واضح اور مدلل طریقے سے پیش کیا ہے، اب کسی کے لیے اس میں شک وتردید کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اس کتاب میں اسلامی حکومت کی ضرورت اور اس کی تشکیل پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ اسلام کو حکومت کے بغیر کچھ نہیں جانتے۔ وہ فرماتے ہیں:

"بل یمکن ان یقال: الاسلام ھوا الحکومۃ بشؤونھا والاحکام قوانین الاسلام وھی شان من شئونھا، بل الاحکام مطلوبات بالعرض وامور الیہ لاجرائھا وبسط العدالۃ فکون الفقیہ حصناً للاسلام کحصن سُور المدینۃ لھا لامعنی لھا الاکونہ والیاً نحوما لرسول اللہ وللائمۃ من الولایۃ علی جمیع الامور السلطانیہ "(15)

یعنی: " بلکہ ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ اسلام اپنے تمام پہلوؤں سے حکومت ہی کا نام ہے، اور احکام تو اسلام کے قوانین اور اس کا تنہا ایک پہلو شمار ہوتے ہیں۔ بلکہ احکام اور قوانین تو ثانوی طور پر مطلوب ہیں جن کا مقصد حکومت کا نفاذ اور عدل وانصاف کا قیام، پس فقیہ کا اسلام کے لیے ایسے حصار اور قلعہ کی مانند ہونا جیسا شہر کی دیوار ہوتی ہے، اس کا مطلب اور مراد یہی ہے کہ وہ

حکومتی امور میں اسی طرح ولایت رکھتے ہیں جس طرح رسول خدا ﷺ اور ائمہ ہدیٰؑ ولایت رکھتے تھے۔"

مذکورہ کتاب کے کچھ مطالب آپ کی کتاب حکومت اسلامی میں موجود ہیں۔ حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ کی کتاب آپ کے بارہ دروس پر مشتمل ہے جو آپ نے نجف اشرف میں دیئے تھے۔ اس نظریے کے متعلق امام قدس سرہ کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اس نظریے کے نفاذ کے لیے عملی جدوجہد فرمائی اور صرف مسئلے کو بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی میدان میں وارد ہو کر ولایت فقیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا۔

"حکومت اسلامی" کتاب میں مختلف ادلہ کو بیان کرتے ہوئے جب اس روایت "الفقہاء اُمنا الرسول مالم یدخلوا فی الدنیا" یعنی: "فقہاء انبیاء کے امین ہیں" (16) کو بیان کیا تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ امین کے معنی یہ ہیں کہ فقہاء تمام اسلامی قوانین کا امانت کے ساتھ نفاذ کریں نہ یہ کہ صرف مسئلے کو بیان کرتے رہیں۔ کیا امام - صرف مسئلہ گو تھے اور صرف حکم بیان کر دیا کرتے تھے؟ کیا انبیا ÷ صرف مسئلے بتاتے تھے؟ اس لیے فقہاء بھی مسئلہ بتانے میں ان کے امین رہیں؟ قوانین واحکام کے بیان کے ساتھ انبیاء کا اہم ترین فریضہ احکام کا نفاذ اور حکومت تھا۔

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ یہاں حضرت امام رضاؑ کی ایک روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت بطور کلی بیان فرما رہے ہیں کہ لوگوں کے لیے امام قیم امین کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس روایت میں ارشاد ہے کہ فقہاء انبیاؑ کے امین ہیں۔ اس صغری وکبری کا نتیجہ یہ ہے کہ فقہاء کا رئیس ملت ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ اسلام کے احکام مٹنے نہ پائیں۔

عالم اسلام میں چونکہ فقہاء کی حکومت نہیں ہے اس لیے اسلام ناپید ہو گیا ہے۔ اس کے احکام معطل ہو گئے ہیں، اسلامی ممالک میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہو رہے حدود جاری نہیں کیے جا رہے، نظم اسلام برباد ہو رہا ہے، ہرج ومرج عام ہے۔ کیا ان باتوں سے اسلام پُرانا نہیں ہو گیا؟ کیا اسلام یہی ہے کہ صرف کتابوں میں لکھ دیا جائے؟ مثلاً کافی (17) لکھ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیا جائے اگر عملی طور پر احکام کا اجرا نہ ہو،

حدود جاری نہ ہوں، ستم گر اور ظالم افراد اپنے کیفر کردار تک نہ پہنچیں اور صرف قرآن کو چوم کر رکھ دیں اور شب جمعہ سورہ یٰسین کی تلاوت کر لیں تو بس یہ کافی ہے ؟ کیا اس سے اسلام کے احکام محفوظ ہو گئے؟

چونکہ ہم میں سے بہت سوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ اسلامی ممالک امت مسلمہ کے زیر انتظام پروان چڑھیں، نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نہ صرف اسلامی ممالک میں نظم برقرار نہیں ہے اور اسلای قوانین کی جگہ ظالمانہ قوانین رائج ہیں، بلکہ اسلام خود اہل علم کے ذہنوں میں کہنہ ہو گیا ہے۔ کیا یہ فقہاء پر لازم نہیں ہے کہ احکام اسلام کو معطل نہ ہونے دیں، فساد پھیلانے والوں کو بغیر سزا کے نہ چھوڑیں۔ حکومت کی آمدنی اور اخراجات میں گڑ بڑ نہ ہونے دیں۔ بڑی واضح سی بات ہے کہ ان چیزوں کے لیے امین کی ضرورت ہے اور فقہاء کا فریضہ امانت داری ہے۔ (18)

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور مقام پر حکومت اسلامی کے قیام کو واجب کفائی اور جب وہ کسی فرد میں منحصر ہو جائے تو اسے واجب عینی فریضہ کا قرار دیا ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس جاندار انداز میں مسئلے کی اہمیت کو امام نے واضح کیا ہے۔ اور اسی شدت کے ساتھ آپ نے اس کے عملی نفاذ کے لیے بھی جہد و جہد کی ہے۔

بالاخر حکومت اسلامی کے قیام کا سہرا امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے سر سجا، جس حکومت کی امیر المومنین ۔ کی شہادت کے بعد سے آرزو تھی، چودہ صدیاں گزرنے کے بعد یہ عظیم کارنامہ امام خمینیؒ کے ہاتھوں انجام پایا۔ ہمارے لاکھوں سلام ہوں ایسے مرد مجاہد پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے کے فقہاء پر فضیلت بخشی۔ ولایت فقیہ کے عنوان سے امام رضوان اللہ علیہ کی بعض آراء کچھ فقہاء کی آراء سے مختلف ہیں۔

امام رضوان اللہ علیہ جامع شرائط فقیہ کو قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں معصومینؑ کی طرف سے منصوب سمجھتے ہیں، یعنی فقیہ کی ولایت ان دلائل سے ثابت ہوتی ہے جو اسلامی احکام کے نفاذ اور امت مسلمہ کی رہبری کی ذمہ داری فقیہ کے کاندھوں پر ڈالتی ہیں۔ البتہ یہ نصب عام ہے جب کہ کچھ دیگر فقہاء دلیل عقلی سے اس کو ثابت کرتے ہیں، ان کے نزدیک دلیل نقلی نہیں ہے۔ ولی فقیہ کے اختیارات اور دائرہ کار کے حوالے سے امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کا نظریہ ملاحظہ ہو:

اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی (اجتہاد) اور عدالت کی صفات پائی جائیں اور وہ حکومت تشکیل دے تو معاشرے کے امور کو چلانے کے لیے جو ولایت رسول ﷺ کے پاس تھی اُس ولایت کا یہ شخص بھی حامل ہو گا اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ولازم ہو گی۔ حکومت چلانے، قاضی اور گورنروں کو معین کرنے، فوج کی تیاری، مالیات وصول کرنے اور اُسے مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت اور اختیارات جو حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کو حاصل تھے وہی اختیارات خدا نے موجودہ حکومت کو دیے ہیں، (موجودہ حکومت سے) میری مراد عالمِ عادل ہے: زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے۔

رسول خدا ﷺ اور ائمہؑ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اس ولایت کا مالک ہے۔ اس جملہ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جو مقام ائمہ معصومینؑ کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے۔ کیونکہ مقام و منزلت کی بحث نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ ذمہ داری اور مسئولیت کی بحث ہے۔ ولایت یعنی تمام دُنیا پر حکومت اور شرع مقدس کے قوانین کا جاری کرنا، ایک سنگین اور اہم ترین فریضہ ہے۔ نہ یہ کہ عہدہ پانے والا کسی غیر معمولی مقام و منزلت کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہ عظیم عہدہ ہے، ولایت فقیہ امور اعتباری میں سے ہے اور یہ ایک عقلائی اعتبار ہے۔"

اس کے برعکس بعض فقہاء ولایت فقیہ کے دائرہ اختیار کو امور حسبیہ میں محدود کرتے ہیں۔ امور حسبیہ سے مراد معاشرے کے ایسے کام ہیں جن کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ شارع مقدس نے ان کی انجام دہی چاہی ہے اور ان کے معطل ہونے اور انجام نہ پانے پر راضی نہیں ہے۔ جیسے بغیر سرپرست بچے کے مال کی حفاظت، موقوفات کی حفاظت، مجہول المالک کے مال کو صرف کرنا وغیرہ ہیں۔ ان سب امور کی سرپرستی فقیہ جامع الشرائط کے ذمہ ہے۔ بچے کے اموال کا نگران، موقوفات پر سرپرست مقرر کرنا اور مال مجہول المالک کو خرچ کرنے کے لیے فقیہ کی اجازت ضروری اور لازم ہے۔

اسی طرح اسلامی مراکز اور مسلمانوں کا دفاع، حدود کا اجرائ، قضاوت، نظام کی حفاظت جوانوں کو اخلاقی انحرافات سے بچانے اور اسی طرح دیگر امور بھی جو امت کے مصالح عامہ میں سے شمار ہوتے ہیں، امور

حسبیہ میں شامل ہیں۔ فقہاء ان امور میں ولایت رکھتے ہیں اور ان امور میں بلاواسطہ یا بالواسطہ دخیل ہیں۔(19)

فقیہ کے دائرہ کار کے متعلق آیۃ اللہ جوادی عاملی فرماتے ہیں: جہاں جہاں تک فقہ کا دائرہ کار ہے، وہاں وہاں تک فقیہ کا دائرہ کار بھی ہونا چاہیے۔ اب اگر ہمیں ولایت فقیہ کے دائرہ کار کو سمجھنا ہے تو اسے فقہ کے دائرہ کار اور نفوذ کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا، جس حد تک فقہ میں وسعت پائی جاتی ہے اسی حد تک فقیہ کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔

آخر میں ولایت فقیہ کے ضمن میں تین نکات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض احباب کی جانب سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ جب ولی فقیہ سب کے لیے ہے اس کی اطاعت بھی ہم سب پر واجب ہے تو پھر ان کے انتخاب میں ایران سے باہر پاکستان یا دیگر ممالک کے علماء کو شریک کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس کا جواب تفصیلی ہے، لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر اس کا مختصر جواب دیا جاتا ہے کہ ''ولی فقیہ '' کا انتخاب نہیں ہوتا، یہ ایسا عہدہ ہے جس پر شخص نصب کیا جاتا ہے اور عمومی طور پر اس کے لیے صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں۔ اب جس کے لیے وسائل اور طاقت مہیا ہو گی اور وہ فقیہ عادل حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہو گیا وہی اس منصب پر فائز ہو گیا۔ دیگر فقہاء کی جانب سے اس کا انتخاب معنی نہیں رکھتا۔ وہ ائمہ اطہار ÷ کی طرف سے منصوب ہے۔ مجلس خبرگان کا کردار فقیہ عادل کی تشخیص ہے، انتخاب نہیں ہے۔

بعض افراد اس نکتے کو اٹھاتے ہیں کہ ولی فقیہ کے لیے مدت کا تعین ہونا چاہیے ایک شخص کے تاحیات رہنے سے قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ عام عہدوں کے لیے یہ بات صحیح ہے لیکن الٰہی عہدہ کے لیے یہ منطق کارفرما نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے بالخصوص ولایت فقیہ کے منصب کے لیے ائمہ ہدی ÷ نے کچھ معیار اور شرائط مقرر کی ہیں وہ شرائط مجتہد ہونا، عادل ہونا، دنیا پر حریص نہ ہونا، مدیر ومدبر ہونا، معاشرتی امور میں فہم وفراست ہونا، بابصیرت ہونا، وغیرہ ہیں۔

اب جب تک یہ شرائط اور صلاحیت موجود ہے وہ اُس عہدہ پر برقرار رہ سکتا ہے، لیکن اگر وہ ان معیارات اور شرائط میں سے کسی ایک کا فاقد ہو جاتا ہے تو وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔ مثلاً احکام اسلامی کی خلاف

ورزی یا حریص دنیا، یا دنیا کو دین پر ترجیح وغیرہ تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔ البتہ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ولی فقیہ امین نہ ہو، یا حریص دنیا ہو تو ولایت کے مقام سے خود بخود معزول ہو جاتا ہے تو جو اشخاص ولایت فقیہ کے نظام اور بالخصوص ولی فقیہ کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے لیے بھی یہ امر قابل غور ہے کہ اگر خدانخواستہ وہ بھی امین نہ رہیں، دنیا پرست ہو جائیں یا ذاتی منافع کو مکتب تشیع کے منافع پر ترجیح دینے لگیں تو ضروری نہیں ہے کہ انہیں معزول کیا جائے بلکہ اگر ان کی ایسی کوئی کوتاہی ثابت ہو جائے تو وہ بھی خود بخود اپنے مقام ومنصب سے عزل ہو جائیں گے۔

آخری نکتہ یہ ہے کہ ولی فقیہ کی حکومت مطلقہ نہیں ہے بلکہ مشروط ہے۔ مشروط سے مراد یہ ہے کہ حکومت کرنے والے افراد قرآن وسنت کی شرائط کے پابند ہوں گے اور قوانین اسلام کی پابندی ان پر لازم ہو گی ولی فقیہ کے احکام قرآن وسنت اور دیگر اسلامی مصادر کی روشنی میں ہوں گے۔ میں ان کی ذاتی اور شخصی رائے ہر گز شامل نہیں ہو گی۔ ولی فقیہ کا حکم خود ان پر بھی لازم الاتباع ہو گا، انہیں بھی اس حکم کی اطاعت کرنا ہو گی۔ اس لحاظ سے ولی فقیہ کی حکومت در حقیقت لوگوں پر الٰہی قوانین کی حکومت ہے، اسلامی قانون کی حکمرانی ہے جس کا انحصار اللہ تعالیٰ پر ہے۔

پس ولی فقیہ کی حکومت وحی کی حکومت ہے۔ ذاتی حکومت نہیں ہے کہ وہ تمام قباحتیں جو دیگر ذاتی حکومتوں میں پیش آتی ہیں یہاں بھی پیش آئیں، یہاں اللہ کی حکمرانی ہے اور بس آخر میں ان مطالب کی تائید کے لیے امام راحل کی کتاب ''حکومت اسلامی '' سے اقتباس پیش کرتا ہوں: در حقیقت اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہوتی ہے۔ اس لیے قانون دان بلکہ دین شناس ہی کو اس کا سربراہ ہونا چاہیے۔ فقہاء ہی کو ملک کے انتظامی اور اجراء کے امور کا نگران ہونا چاہیے۔ یہی حضرات احکام الٰہی کے اجرائ، اخذ مالیات، سرحدوں کی حفاظت اور حدود وتعزیرات کے نفاذ کے امین ہیں۔ انہیں چاہیے قانون اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی وزیادتی نہ ہونے دیں۔ اگر فقیہ زانی کو حد لگانا چاہے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سو تازیانے لگائے وہ ایک تازیانے کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا۔

اسی طرح مالیات کے وصول کرنے میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں رکھتا، اُسے چاہیے کہ بیت المال میں ہرج و مرج نہ ہونے دے۔ اگر نعوذ باللہ فقیہ اسلام مخالف امور کا مرتکب ہو جائے مثلاً فاسق ہو جائے تو خود بخود حکومت سے معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا ہے۔ (20)

خلاصہ یہ کہ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر میں ولایت فقیہ اسلام اور اسلامی مراکز کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ قوانین الٰہی کا اجراء نظام ولایت فقیہ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسلام اور اسلامی معاشرے کا حقیقی اور معنوی ارتقاء حتی کہ مادی ترقی اسی نظام کے تحت ہی ہو سکتی ہے۔ ظلم واستبداد کا خاتمہ اسی نظام کے تحت ہو سکتا ہے۔

نظریۂ ولایت فقیہ کے حوالے سے چند سوالات کا جواب

ا۔ کیا اسلامی جمہوریہ ایران کے رہبر اور ولی فقیہ کی ولایت اور حاکمیت صرف ایرانی عوام پر ہے یا دنیا بھر کے شیعہ عوام پر؟

جواب: اس سوال کا جواب بہت واضح ہے اور وہ یہ کہ ولی فقیہ کو نہ فقط ایرانی عوام پر بلکہ دنیا بھر کے شیعوں پر ولایت حاصل ہے۔ جس طرح ایک فقیہ کا فتویٰ فقط اُس کے ملک میں بسنے والے مؤمنین کیلئے نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا میں اس کے مقلدین کیلئے واجب العمل ہوتا ہے، اسی طرح فقیہ کی ولایت بھی فقط اس کے ملک میں بسنے والوں کیلئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے شیعوں کیلئے ہو گی۔

۲۔ اگر ولی فقیہ کی ولایت دنیا بھر کے شیعہ عوام پر ہے تو کیا یہ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں دخالت نہیں ہو گی؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ ولی فقیہ کی ولایت پوری دنیا کے شیعہ عوام پر ہے لیکن اس کا کسی طور یہ مطلب نہیں بنتا کہ ولی فقیہ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملاتمیں مداخلت کرے۔ اس جواب کی مزید وضاحت نیچے دیے گئے سوال کے جواب میں ملاحظہ فرمائیے!

۳۔ چونکہ ولی فقیہ اپنے زیر ولایت افراد کے مفادات کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے، لہٰذا دوسرے ممالک میں رہنے والے شیعوں کے بارے میں ولی فقیہ اپنی ذمہ داریاں کیسے ادا کرے گا؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کے ایمان اور عقائد کی حفاظت، ولی فقیہ کی ذمہ داری ہے؛ یہاں تک کہ ان کے جان و مال و ناموس کی حفاظت بھی حتی الوسع ولی فقیہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن ولی فقیہ موجودہ سیاسی جغرافیائی سرحدوں کے ہوتے ہوئے کبھی بھی یہ فریضہ مستقیم طور پر اور بلا واسطہ (Direct) انجام نہیں دیتا۔ بلکہ ہر ملک اور علاقے میں رہنے والے مؤمنین میں سے ایک یا کئی آگاہ، بصیر، دین دار اور مکتب تشیع سے وفادار افراد کو اپنے نمائندہ کے طور پر معین کرتا ہے جو اپنے علاقے اور ملک کے حالات، قوانین اور شرائط کی روشنی میں اپنے مفادات کا خود تحفظ کرتے ہیں۔

دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات می مداخلت سے بچنے ہی کی غرض سے ولی فقیہ ان ممالک میں رہنے والے شیعہ عوام کی رہنمائی کی ذمہ داری خود انہی میں سے شائستہ افراد پر ڈال دیتا ہے اور خود تنہا شرعی نقطۂ نظر سے اپنے نمائندوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یوں ولی فقیہ کی نمائندگی میں کئے گئے فیصلوں اور اقدامات کو شرعی جواز بھی مل جاتا ہے اور دوسرے ممالک کی داخلی معاملات میں مداخلت بھی نہیں ہوتی؛ بالکل اسی طرح جب آپ ایک مجتہد کی اجازت سے خمس وزکاۃ وغیرہ کو اپنے ہی علاقے میں استعمال کرتے ہیں تو آپ کے اس تصرف کو شرعی جواز مل جاتا ہے اور آپ خدا کی بارگاہ میں جوابدہ نہیں ہوتے۔

اجتماعی اور قومی امور میں بھی جب کسی ملک کے بسنے والے اپنے ملکی قوانین اور سیاست کی روشنی میں اپنے قومی مفادات اور ملی مذہبی مفادات کا ولی فقیہ کے نمائندہ یا نمائندگان کی رہنمائی میں دفاع کرتے ہیں تو ان کے اقدامات کو شرعی جواز حاصل ہوتا ہے۔ اور اس جواز کے آجانے کے بعد وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی پر ثواب کے مستحق بھی قرار پاتے ہیں اور ان کی محنتیں اور قربانیاں بھی بارگاہ الٰہی میں قابل قبول واقع ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نمائندگی کے اس

نظام سے دوسرے ممالک میں ولی فقیہ کی مداخلت بھی پیش نہیں آتی ہے اور دوسرے ممالک میں بسنے والے شیعیان حیدر کرار کو ایک مرکز اور ایک رہبری بھی مل جاتی ہے۔ نیز وہ دشمنان مکتب کی سازشوں اور مکتب تشیع کے دشمنوں کے مقابلے میں اپنے مکتب کا بہتر دفاع کر سکتے ہیں۔

۴۔ ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کیلئے ولی فقیہ کی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہیں؟

جواب: اس سوال کا جواب مذکورہ بالا سوال کے جواب کی روشنی میں انتہائی واضح ہے۔ ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کیلئے ولی فقیہ کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ایسی تدابیر کرے کہ جن کی روشنی میں ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کا ایمان، ان کا مکتب اور ان کی ناموس، جان و مال محفوظ رہ سکیں۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی اس آرزو میں کامیاب بھی رہے۔ اگر انبیاء اور ائمہ طاہرین ÷ بھی اکثر اوقات وقت کے طاغوتوں کی سازشوں اور بعض بکے ہوئے عناصر کی غداریوں کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کا کماحقہ دفاع نہ کرسکے تو عین ممکن ہے کہ ولی فقیہ بھی طاغوتوں اور ظالموں کے شر سے اہل بیت اطہار ÷ کے ماننے والوں کا کماحقہ دفاع نہ کرسکے۔

۵۔ ولایت فقیہ کے حوالے سے ایران سے باہر رہنے والے شیعوں کا فریضہ کیا ہے؟ ظاہر سی بات ہے اگر وہ ولی فقیہ کی بلا چون وچرا اور غیر مشروط حمایت کریں گے تو انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا؟

جواب: اس سوال کا جواب بھی بڑا واضح ہے کہ ایران سے باہر رہنے والے شیعوں کا فریضہ یہی ہے کہ وہ نظریۂ ولایت فقیہ کو سمجھیں، اس پر ایمان لے آئیں، اس کا دفاع کریں اور جاہلوں کے جھانسے میں نہ آئیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نظریہ ان کی عزت و سرافرازی کا عامل ہے اور انہیں وحدت و یگانگی عطا کرتا ہے۔ اس حوالے سے ممکن ہے انہیں بعض مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن سوال یہ ہے کہ جب انسان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے تو کیا وہ اللہ کے دین کو چھوڑ دیتا ہے؟

جب ولایت فقیہ کا نظریہ، خالصتا دینی نظریہ ہے اور قاطع شرعی دلائل سے ثابت شدہ ہے تو پھر اسے اپنانے میں چند مشکلات کا سامنا کرنے میں کیا حرج ہے؟ اگر اس دنیا میں لوگ ابلیس کی بلاچون وچرا حمایت کر سکتے ہیں، امریکا جیسے عالمی ڈکٹیٹر کی بلاچون چرا حمایت کر سکتے ہیں تو مکتب رسول کے ایک مدافع کی حمایت کیوں نہ کریں؟!

''اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو!''

۶۔ بنیادی طور پر انفال،۷۲ :'' ۔۔۔ وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا'' کی روشنی میں جو اسلامی حکومت کی طرف ہجرت ہی نہ کریں ان کی سرپرستی اسلامی حکومت کیسے کر سکتی ہے؟ اس آیت کی روشنی میں غیر اسلامی معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں کا ولایت کے ساتھ کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر اسلامی معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں پر فقیہ کی ولایت ثابت نہیں ہے۔

جواب: سب سے پہلے تو اس آیہ شریفہ کا ولایت فقیہ کی بحث سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ یہ آیت صدر اسلام کے مخصوص حالات کی ترجمانی کر رہی ہے اور اس آیت میں بحث ان مسلمانوں کے بارے میں ہے جو غیر اسلامی معاشرہ میں رہ رہے ہوں، وہاں دین مبین اسلام کے احکام پر عمل نہ کر سکتے ہوں اور اسلامی معاشرے کی طرف ہجرت کر سکنے کے باوجود اسی مشرکانہ معاشرے میں رہنے پر بضد ہوں تو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی حمایت کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہی مسلمان اُن کے ولی ہیں۔

بنابرایں، اس آیت سے کسی طور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کچھ لوگ غیر اسلامی معاشرے میں زندگی گذار رہے ہوں اور انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل ہو تو ایسے لوگوں پر فقیہ کی ولایت ثابت نہیں ہے۔ علاوہ برایں، اسلامی معاشرے اور غیر اسلامی معاشرے ممیں بھی فرق ہے۔ بالفرض یہ آیت غیر اسلامی معاشروں میں بسنے والے مسلمانوں کیلئے فقیہ کی ولایت کی نفی کر بھی رہی ہو، تب بھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی معاشروں میں رہنے والوں کا بھی ولایت کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اگر یہ سوال پوچھنے والے پاکستان کے اسلامی معاشرے

میں رہ رہے ہیں تو کم از کم ان کا تو ولایت سے رشتہ ہونا چاہیے۔ نہیں معلوم یہ سوال پوچھنے والے اسلام اور پاکستان کے اسلامی معاشرے سے اپنا رشتہ توڑنے پر اتنے بضد کیوں ہیں! کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود کو اس معاشرے کا فرد ہی تصور نہیں کرتے۔

۷۔ اگر غیر اسلامی معاشروں میں بسنے والے کچھ لوگ ایران کی طرف ہجرت کرنا چاہیں تو کیا ولی فقیہ انہیں خوش آمدید کہیں گے؟

جواب: غیر اسلامی معاشروں میں بسنے والے مؤمنین، ان معاشروں میں اسلام اور مکتب تشیع کے مبلغ اور نمائندوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ جہاں کہیں بھی ہیں وہیں رہتے ہوئے اپنے دین و مکتب پر کامل طور پر کاربند رہیں۔ جب غیر اسلامی معاشروں کے لوگ ان کی سیرت و کردار دیکھیں گے تو وہ بھی مکتب تشیع اپنانے کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ ہاں! بعض کیس ایسے ہو سکتے ہیں جن میں ایران کی طرف ہجرت کے خواہشمند حضرات کی درخواستوں پر غور کیا جا سکتا ہے اور اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا ایران یا کسی دیگر مسلمان ملک کی طرف ہجرت کرنا، مکتب اسلام اور خود ان کے حق میں ہے تو ان کی درخواست پر ہر مسلمان ملک منجملہ ایران میں غور کیا جانا چاہیے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ حالات میں یہ عقلمندی نہیں ہو گی کہ ایران سے باہر بسنے والے شیعیان حیدر کرار ایران کی طرف ہجرت کا سوچیں۔ یہ تو امریکا، اسرائیل، یہودیوں اور وہابیوں کی سوچ ہے کہ ہمیں ہمارے ممالک سے نکال باہر کریں۔ ایسے میں اگر وہ لوگ بھی جو خود کو دانشور سمجھتے ہیں، وہ بھی ایران کی طرف ہجرت کا سوچنے لگیں اور دشمن کے نظریات کی ترجمانی کرنے لگیں تو یہ ان کی انتہائی سادگی ہو گی۔ بنیادی طور پر ہر معاشرے میں بسنے والے مسلمان اور شیعہ، اس معاشرے کا حصہ ہیں، اس معاشرے میں رہنا اور اپنے مذہب پر پوری آزادی سے عمل کرنا ان کا بنیادی انسانی حق ہے، کیوں کوئی انہیں ہجرت پر مجبور کر سکتا ہے اور کیوں انہیں ہجرت کا سوچنا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ: ''یہ خیال ہے کسی اور کا اسے سوچتا کوئی اور ہے!''

۸۔ مرگ بر ضد ولایت فقیہ کے نعرے کی اخلاقی، شرعی اور قانونی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی اجتہاداً یا تقلیداً ولایت فقیہ کے نظریہ سے اختلاف رکھتا ہو تو آیا وہ واجب القتل ہے کہ اس کی موت کا نعرہ لگایا جائے؟

جواب: اس سوال میں مغالطے سے کام لیا گیا ہے۔ ضد اور مخالف میں فرق ہے۔ اس نعرے میں ضد سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت امام خمینیؒ جیسے عظیم ولی فقیہ کے قتل کی سازش کر رہے تھے اور اب بھی ایسی سازشوں میں امریکا جیسے عالمی غنڈوں کے آلہ کار بنے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ ولی فقیہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جہاں تک ولی فقیہ کے نظریاتی مخالفین کا تعلق ہے تو جب سے اسلامی جمہوریہ ایران میں ولایت فقیہ کا نظام قائم ہوا ہے، تب سے آج تک ولایت فقیہ کے نظریہ کے کسی مخالف کو واجب القتل قرار دینا تو کجا، اُن کی زیست کا سامان بھی مہیا ہے۔ اس کی بہترین دلیل ایران کی سرزمین پر ان لوگوں کا وجود ہے جو ولایت فقیہ کے نظریہ کو قبول بھی نہیں کرتے، اس کی نظریاتی مخالفت بھی کرتے ہیں اور پورے امن وسکون کی زندگی بھی گذار رہے ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ (امام خمینی، حکومت اسلامی، موسسہ تنظیم و نشر آثار حضرت امام خمینیؒ، ۱۲۷)

2۔ مطہری، مرتضیٰ، آشنائی باعلوم اسلامی، انتشارات صدرا، ج ۳، ص ۱۰۰

3۔ محمد حسن نجفی جواہر الکلام، تحقیق علی آخوندی، تہران دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۶۸، ش، ج ۲۱، ص ۳۹۷

4۔ ایضاً، ج ۲۱، ص ۱۷۸

5۔ ایضاً، ج ۲۱، ص ۳۹۶

6۔ مصباح الفقیہ ص ۱۶۱

7۔ نائینی، محمد حسین، تنبیہ الامۃ و تنزیہ الملۃ ص۴۶
8۔ نراقی، احمد، عوائد الایام، قم مکتبہ بصیرتی، ۱۴۰۹ ہجری، ص۱۸۶
9۔ وسائل الشیعہ، ج۱۸، ص۱۰۱، روایت ۹، ح۳۳۴۳۴، ابواب صفات قاضی
10۔ مرتضی انصاری، المکاسب، ج۳، قم مجمع الفکر الاسلامی ۱۴۲۰ ہجری، ص۵۵۵، ص۵۵۷
11۔ مرتضی انصاری، المکاسب، ج۳، قم مجمع الفکر الاسلامی ۱۴۲۰ ہجری، ص۵۵۷
12۔ مرتضی انصاری، کتاب زکوۃ، قم، لجنۃ التحقیق، ۱۴۱۵ ہجری، ص۳۵۴۔۳۵۷
13۔ نائینی، محمد حسین، تنبیہ الامۃ و تنزیہ الملۃ، شرکت سہامی انتشار، ص۴۶
14۔ منتظری، حسین علی، البدر الزاہر فی صلاۃ الجمعۃ والمسافر (تقریرات درس آیت اللہ العظمی بروجردی) قم، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ص۵۲۔۵۷
15۔ امام خمینیؒ کتاب البیع قم اسماعیلیان، ۱۴۱۰ ہجری ج۲، ص۴۷۲
16۔ اصول کافی، ج۱، ص۵۸ کتاب فضل العلم باب المستاکل بعلمہ اولمباھی بہ، حدیث ۵
17۔ حدیث کی مشہور کتاب ہے۔
18۔ حکومت اسلامی، ص۵۳
19۔ امام کتاب البیع، ص۴۱۷
20۔ حکومت اسلامی، ص۵۷

امام خمینیؒ کا اخلاقی مکتب

سید رمیز الحسن موسوی*

تمہید

انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے اور انسان کی روح و نفس ابدی دائمی ہے نہ فانی۔ دین اسلام کا بنیادی مقصد اسی مجموعے کا ارتقاء اور پیش رفت ہے۔ اسلام جہاں انسان کے جسم اور مادی پہلو کے لئے خصوصی ہدایات رکھتا ہے وہاں اس کی روح اور نفس کے لئے بھی بدرجہ اولیٰ اہمیت اور اہتمام کا قائل ہے۔ انسانی روح اور نفس کی تربیت و تہذیب اور ارتقاء کی ذمہ داری علم اخلاق پوری کرتا ہے۔ جیسا کہ تمام انبیائے کرامؑ خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کا فلسفہ ہی انسانی اخلاق کی تکمیل ہے۔ خود پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے مبعوث ہونے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخلاق"

یعنی: "میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔"

انبیاءؑ اور معصومین ÷ کے بعد علمائے دین اور فقہائے اسلام کا بھی سب سے بڑا مقصد انسانی معاشروں کی تہذیب اخلاق ہے۔ اخلاق کا دائرہ کار اُتنا ہی وسیع ہے جتنا انسانی امور و معاملات کا دائرہ ہے۔ اس لئے خاندان کے امور سے لے کر معیشت و سیاست اور جہاد و عسکریت کے مسائل کے لئے اخلاقی ضابطے اور احکام کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام اور حکمائے عظام نے فلسفہ اخلاق اور تہذیب نفس سے متعلق خصوصی تصانیف و تالیفات پیش کی ہیں اور تاریخ اسلام کی ابتداء سے لے کر اب تک قرآن کے اخلاقی احکام اور رسول اکرم ﷺ اور ائمہ اطہارؑ کے اخلاقی فرامین اور احادیث کی تفسیر و تشریح میں علمائے اسلام نے قابل قدر کام کیا ہے۔ اس کے بارے میں محققین لکھتے ہیں:

---

*۔ استاد علوم اسلامی، جامعہ کراچی

"چونکہ اسلام نے "تہذیب اخلاق" میں ایک نئے مکتب کی بنیاد رکھی ہے، لہٰذا علمائے اسلام نے اس مکتب کے بارے میں بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ اس موضوع میں ان کی زحمات قابل قدر ہیں۔ اس مکتب کی بنیاد قرآن کریم نے رکھی ہے اور اس محکم ونورانی بنیاد کو رسول خدا ﷺ نے اپنے اصحاب کی تربیت کرتے ہوئے، اپنے مقدس کردار و گفتار کے ذریعے بلند کیا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے اس کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ حضرت علیؑ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اسلام میں اس موضوع پر بحث و گفتگو کی ہے اور اس مقدس و عظیم مکتب کے مؤسس قرار پائے ہیں۔ اور آپؑ نے جو کچھ رسول خدا ﷺ سے حاصل کیا تھا، اسے مسلمان معاشرے کے حوالے کر دیا ہے۔ حضرت علیؑ، مکتب "بُعِثتُ لأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأخلاق" کے پہلے شاگرد بھی ہیں اور اس مقدس و عظیم مکتب کے عظیم استاد بھی۔ حضرت علیؑ اپنے (اعلیٰ) کردار اور گفتار کی وجہ سے اس علم کے بہترین معلم شمار ہوتے ہیں۔

اس مقدس علم کے بارے میں حضرت علیؑ سے جو گراں قدر سرمایہ یادگار کے طور پر باقی ہے وہ وصیت کے عنوان سے امامؑ کا وہ "رسالہ" ہے کہ جو آپؑ نے اپنے فرزند گرامی حضرت امام حسنؑ (1) کیلئے لکھا تھا۔ کلینیؒ (2) نے اسے کتاب "الرسائل" میں نقل کیا ہے اور ابو احمد حسن بن عبد اللہ بن سعید عسکری (3) نے کتاب "زواجر و مواعظ" میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند، اصبغ بن نباتہ تک پہنچائی ہے۔(4)

دوسری صدی ہجری میں جس شخص نے سب سے پہلے علم اخلاق میں کتاب تالیف کی ہے وہ اسماعیل بن مہران سکونی ہے کہ جو حضرت امام رضا ؑ کے اصحاب میں سے ہے۔ اس نے اپنی کتاب کا نام "صفت مومن وفاجر" رکھا ہے۔ (5) اس کے بعد علمائے اسلام نے اس فن میں بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے۔ پانچویں صدی ہجری تک لکھی جانے والی بہترین کتاب حکیم و فلسفی ابن مسکویہ (6) کی کتاب 'طھارۃ النفس" ہے اسے "طہارۃ الاعراق" و 'تہذیب الاخلاق" اور " تطہیر الاعراق" بھی کہتے ہیں۔ یہ کتاب چھ مقالات پر مشتمل ہے اور خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے، اپنی گران قدر تالیف "اخلاق ناصری" کے کچھ مطالب اس سے اقتباس کیے ہیں۔ (7)

اخلاقی مکاتب فکر

علمائے اسلام نے اسلام کے مکتب اخلاق میں جو کام کیا ہے اسے ہم اسلوب اور روش کے لحاظ سے چند مکاتب میں تقسیم کر سکتے ہیں، چونکہ اس مقالے میں ہم نے عصر حاضر کے ایک عظیم معلم اخلاق حضرت امام خمینیؒ کے مکتب کا مطالعہ پیش کرنا ہے جس کو سمجھنے کے لئے اسلوب وروش کے لحاظ سے اسلامی اخلاق کے مختلف مکاتب فکر سے آگاہی ضروری ہے، جس کی مختصر وضاحت یوں ہے:

ا۔ معاشرتی واجتماعی اخلاق

اخلاقیات کے بارے میں انتہائی سرسری نظر سے دیکھیں تو ہمیں اس کا معاشرتی اور اجتماعی پہلو زیادہ اہم نظر آتا ہے چونکہ انسان ایک مدنی الطبع مخلوق ہے اور وہ کسی نہ کسی انسانی معاشرے میں ہی پیدا ہوتا ہے اور اُسی میں پلتا اور بڑھتا ہے اور معاشرے میں ہی رہ کر اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن انسانی ضروریات ومفادات ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ چونکہ انسان کی خواہشات اور آرزوئیں بہت وسیع ہیں، جبکہ اُن کو پورا کرنے کے وسائل محدود ہیں۔

اس صورت میں اگر انسان بغیر کسی ضابطے اور قانون کے کوئی کام کرے گا تو اُسے بہت جلد شدید ردعمل کا سامنا کرتے ہوئے بہت سے مفادات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جس کی وجہ سے اُس کا آرام وسکون، پریشانی اور محرومیت میں تبدیل ہو جائے گا۔ لہٰذا انسان کو زندگی میں آرام وآسائش حاصل کرنے کے لئے ایسا معاشرتی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے کہ جس کی وجہ سے اُس کی خواہشات اور آرزوئیں بھی پوری ہو جائیں اور اُس کا کسی دوسرے انسان کے ساتھ ٹکراؤ بھی عمل میں نہ آئے اور وہ ایک لذت بخش زندگی سے بہرہ مند ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے انسان جس ضابطے اور قانون پر عمل کرنے پر مجبور ہے اُسے ''خلاق'' کہا جاتا ہے۔

اس نقطہ نظر کے مطابق خوش اخلاقی، کردار ورفتار میں نرمی، زبان کی شرینی، اطمینان وسکون، بدگمانی سے پرہیز اور اُمید واری جیسی انسانی خصوصیات، مثبت خصوصیات شمار ہوتی ہیں۔ لیکن دوسرے مکاتب اخلاق کے لحاظ سے اس قسم کا اخلاقی مکاتب بعض جہات سے محل تأمل ہے۔ مثلاً اس قسم کا معاشرتی اور اجتماعی اخلاق فقط انسان کے ظاہری تعلقات ہی کو دیکھتا ہے، اُس کی ''نیت'' اور ''باطن'' کو نہیں دیکھتا۔ اسی طرح معاشرتی اخلاق میں انسان کا اخلاقی طرز عمل اختیار کرنے کا اصل محرک اپنے دنیوی مفادات کا تحفظ

ہے، اس میں فقط اپنا انفرادی اور دنیوی مفاد ہی مد نظر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ معاشرتی اخلاق کی بنیاد فقط احساسات، وقتی مصلحتوں اور قومی رسم ورواج پر استوار ہوتی ہے۔

۲۔ عقلی اور فلسفی اخلاق

اس مکتب اخلاق کے مطابق خیر وکمال کا اصلی محور عقل ہوتی ہے۔ جس کام کو عقل، انسان کے لئے اچھا، بہتر اور باعث کمال سمجھتی ہے وہی قابل عمل ہوتا ہے۔ عقلی اور فلسفی مکتبِ اخلاق میں اخلاقی برائیوں کا اصل سبب، جہالت اور کم عقلی ہے۔ اس لئے اخلاقی برائیوں کے خلاف جدوجہد کے لئے ہمیں انسانوں کی عقل اور علم میں اضافے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس افلاطونی اور سقراطی مکتب کی وضاحت ہم آیت اللہ شہید مرتضٰی مطہریؒ کے الفاظ میں کرتے ہیں:

افلاطون اور اس کے اُستاد سقراط کا خیال ہے کہ بھلائی اور خیر کے مطابق عمل کرنے کے لئے اُن کی شناخت ہی کافی ہے؛ یعنی ایسا ممکن نہیں ہے کہ ایک انسان کسی نیک اور اچھے کام کو پہچانتا ہو اور پھر اس پر عمل نہ کرے، اس کے عمل نہ کرنے کی وجہ اس کی جہالت ہے۔ پس اخلاقی برائی کے خلاف جدوجہد جہالت کو ختم کرکے ہی کی جاسکتی ہے"۔ (8)

اسی مطلب کے بارے میں محمد علی فروغی اپنی کتاب "سیر حکمت در اروپا" میں لکھتے ہیں: چونکہ نیکوکاری، اچھائی وبرائی کی تشخیص پر موقوف ہوتی ہے، یعنی یہ ایک طرح کی دانائی اور علم ہے۔ درحقیقت فضیلت سے مراد علم ودانش اور حکمت (فلسفہ) ہی ہے۔ لیکن اس علم ودانش کو خوف کے سلسلے میں استعمال ہونا چاہیے؛ یعنی اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ انسان کو کس چیز سے ڈرنا چاہیے اور کس چیز سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے مراد "شجاعت" ہے اور جب یہ نفسانی تقاضوں کا خیال رکھنے کے معنٰی میں استعمال ہو تو اسے "عفت" کہتے ہیں۔ اور جب اُن قواعد وضوابط کے بارے میں علم کے طور پر استعمال ہو کہ جو لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات پر حاکم ہوتے ہیں تو اس وقت یہ علم "عدالت" کہلاتا ہے۔ اور اگر اس میں خالق کے بارے میں انسانی فرائض کو مد نظر رکھا جائے تو یہ دینداری اور خداپرستی ہے۔ یہ پانچ فضائل یعنی حکمت، شجاعت، عفت، عدالت اور دینداری وخداپرستی سقراطی اخلاق کا اصول اول ہے"۔ (9)

۳۔ عرفانی اخلاق

یہ اخلاقی مکتب، نفس کی ریاضت اور مجاہدت کے ذریعے دل کو آلودگیوں سے پاک کرنے اور ''محاسن اخلاق'' سے مزین کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ حقیقت تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ اس مکتب میں قلبی اور عملی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ فلسفی و عقلی کوشش کی۔ عرفان کی نظر میں انسان فقط تزکیہ نفس کے ذریعے ہی روحانی ارتقاء حاصل کر سکتا ہے اور قلب کے راستے سے قرب الٰہی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ سیر وسلوک کے دشوار گذار گھاٹیوں سے گذر کر کمال مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کے عشق کو پاسکتا ہے۔ (10)

عارف کی نظر فلسفی کے برعکس، خدا کی طرف سے عطا شدہ معرفت اور علم لدنی پر ہوتی ہے۔ وہ رسمی علوم کو مقام قرب الٰہی کے لئے مفید نہیں جانتا اور اس کے نزدیک کتاب و مکتب خانہ ایک افسون اور افسانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بقول اقبالؒ:

تب وتابی کہ باشد جاودانہ　　سمند زندگی راتازیانہ

بہ فرزندان بیاموزایں تب وتاب　　کتاب ومکتب افسون وفسانہ

امام خمینیؒ کا اخلاقی مکتب

اخلاق کو امام خمینیؒ کے فکری نظام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور حقیقت میں امام خمینیؒ کے نزدیک تمام علوم کا محور اخلاق ہی ہے۔ امام خمینیؒ رسول خدا ﷺ سے منقول ایک حدیث سے استناد کرتے ہوئے تمام علوم کو تین کلی موضوعات کے تحت قرار دیتے ہیں، چونکہ انسان تین وجودی عوالم کا حامل ہے۔ ایک اس کا ظاہری وحسی عالم ہے، دوسرا مثالی اور تیسرا عقلی عالم ہے۔

معاشرتی علم اور احکام فقہ اس کے پہلے عالم سے تعلّق رکھتے ہیں اور عقلی علوم تیسرے عالم سے مربوط ہیں جبکہ جو چیز دوسرے عالم سے تعلق رکھتی اور اس کی تکمیل کرتی ہے وہ ''اخلاق'' ہے۔ اگر انسان جبلّیات کے اصول و قانون سے آگے بڑھنا چاہے تو اسے وسیع معنوں میں اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق اخلاق فقط چند محدود اخلاقی واحکام میں ہی منحصر نہیں، بلکہ حقیقت میں وہ ایک ایسا علم ہے کہ جو انسان کے عمیق ترین وجودی پہلوؤں کی جستجو کرکے انہیں روشن اور واضح کرتا ہے اور اس کے فاسد پر نشتر لگا کر اس کا علاج کرتا ہے۔

اس قسم کا اخلاق در حقیقت، انسان کی نظری (Theoretical) اور عملی (Practical) شناخت پر مبنی ہے اور ایک محکم و پائیدار اصول سے آگاہی اور اس پر عمل کرنے سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم کو سب سے زیادہ محترم علم اور بعثت انبیاء ÷ کی غرض وغایت قرار دیا گیا ہے۔ رسول خدا ﷺ کا فرمان بھی اس قسم کے اخلاق کی جانب اشارہ ہے کہ جسے آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے انسان خود کو بہت سے علوم سے بے نیاز قرار دے سکتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو اخلاق سے بے نیاز نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ یہ علم دونوں جہاں (دنیا وآخرت) کا سرمایۂ سعادت ہے۔ جیسا کہ امام خمینیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کی غرض وغایت اور دعوت کا نتیجہ مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔ احادیث شریفہ میں معارف (عقائد) کے بعد تفصیل واجمال سے جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ مکارم اخلاق ہی ہے اور اس کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ جسے ہم بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ البتہ اتنا (سب کو) معلوم ہے کہ حیات ابدی، آخرت کا سرمایہ اور اس عالم کی زندگی کا رأس المال انسان کیلئے اخلاق کریمہ کا حصول اور مکارم اخلاق (اچھے اخلاق) سے متصف ہونا ہے۔ وہ بہشت کہ جو اخلاق کریمہ کے ذریعے انسان کو عطا ہوگی وہ بہشتِ صفات کہلاتی ہے کہ جسے اس بہشت سے کوئی نسبت حاصل نہیں کہ جسے جسمانی اعمال کی بہشت کہا جاتا ہے''۔(11)

اخلاق اپنے اس خاص مقام ومنزلت کے ساتھ ہمیشہ امام خمینیؒ کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ حضرت امام خمینیؒ روز اول سے کہ جب ایک استاد تھے، پھر اس کے بعد جب انہوں نے میدان سیاست میں قدم رکھا اور عوام کی قیادت وانقلاب کی رہبری کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھائی اور اسلامی جمہوریہ کی بنیاد رکھی، ان سب مراحل میں اول سے آخر تک آپؒ کی خاص توجہ کا محور ومرکز، اخلاق ہی تھا۔ وہ تقریباً تمام اجتماعی اور سیاسی مسائل کو اخلاقی نقطۂ نگاہ سے ہی دیکھتے تھے اور اعلیٰ حکام اور عوام کو ان کی نصیحتیں اور سیاسی پیغامات اس بات کے گواہ ہیں۔ اگر ان سب پیغامات کو ہم ان کے مناسبتوں سے الگ کرکے دیکھیں تب بھی وہ بہترین اخلاقی درس کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔

لیکن امام خمینیؒ کی نظر میں اخلاق چند نصیحتوں اور احکام تک محدود نہیں ہے، بلکہ عمیق فلسفی، کلامی اور انسانی معرفت پر مبنی اصول وتعلیمات پر استوار ہے۔ اخلاق کے بارے میں امام خمینیؒ کی نگاہ ایک حکیمانہ

نگاہ ہے۔ یعنی وہ اخلاقی رذائل وفضائل کی دقیق تحلیل کرنے اور ان کے بارے میں فلسفیانہ بحث کرنے کے بعد اس اخلاقی فعل کے فوائد اور نقصانات کو بھی بیان کرتے ہیں۔

اگرچہ امام خمینیؒ دینی اخلاق پر گہرا اعتقاد رکھتے ہیں اور اخلاقی رذائل وفضائل کو احادیث معصومینؑ سے استنباط کرتے ہیں، لیکن وہ فقط سنت (احادیث) کے نقل پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ان احادیث کے تجزیہ و تحلیل اور اخلاقی مفاہیم کی وضاحت کیلئے عقل سے بھی مکمّل استفادہ کرتے ہیں۔ عقل و نقل کی ہمراہی کی یہ روش کہ جو ہمیشہ سے بزرگ شیعہ علماء میں مقبول رہی ہے، حضرت امام خمینیؒ کی اخلاقی مباحث میں بہت واضح نظر آتی ہے۔ اگر کوئی شخص امام خمینیؒ کی اخلاقی اور عرفانی کتابوں کا بار بار مطالعہ کرے تو وہ ان کے اخلاقی تعلیمات کی گہرائی تک پہنچ سکتا ہے۔(12)

حضرت امام خمینیؒ جہاں ایک زبردست فلسفی تھے وہاں ایک عارف کامل بھی تھے۔ دونوں علوم میں امامؒ کو پورا تسلط حاصل تھا اور عرفان عملی میں تو امامؒ یگانہ روزگار سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے امامؒ کے اخلاقی مکتب میں ہمیں عرفانی اخلاق بھی پوری طرح جلوہ گر نظر آتا ہے اور فلسفے کی بھی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ عرفاء اپنے عرفانی مباحث میں عرفانی اصطلاحات سے آگاہ مخاطبین اور سیر وسلوک میں ایک خاص مقام رکھنے والے افراد کی طرف ہی توجہ دیتے ہیں اور ہمیشہ فنی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرتے ہوئے اُن کی رہنمائی کرتے ہیں لہٰذا امام خمینیؒ نے ان لوگوں کے لئے بھی علمی مطالب بیان کئے ہیں اور عام لوگوں کے لئے بھی اجتماعی اخلاق وعرفان کی تعلیمات وہدایات پیش کی ہیں۔

یہی خصوصیت امام خمینیؒ کے مکتب اخلاق کو دوسرے تمام اخلاقی مکاتب کی نسبت قرآنی مکتب اخلاق کے نزدیک کردیتی ہے۔ چونکہ قرآن "ھدیً للناس" ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ قرآنی ہدایت اور ربانی تزکیہ کے حامل بنا کر لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں:

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا" (سبأ/۲۸)

امام خمینیؒ کی کتب وتعلیمات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت امامؒ ایک عارف کامل اور برجستہ فلسفی ہونے کے باوجود فلسفی اور عرفانی مسلک سے متاثر ہونے کے بجائے قرآن اور عترت کے مشرب ناب سے سیراب شدہ تھے جس کی بہترین دلیل امامؒ کی علم وعمل میں جامعیت اور اعتدال پسندی ہے جو

انسانوں کی طرف سے پیش کئے گئے مسالک ومکاتب فکر میں نظر نہیں آتی۔ امامؒ کی علمی عملی سیرت وروش بہت حد تک قرآن اور عترت اہل بیتؑ سے متاثر نظر آتی ہے۔

اپنے اخلاقی مسلک ومکتب میں امامؒ نے عرفانی سیر وسلوک، اخلاق اور تزکیہ نفس میں ایک نمایاں مقام پیدا کیا ہے اور صوفیانہ ریاضتوں اور باطنیت کی مکمل نفی کی ہے۔ امامؒ طریقت کو سوائے شریعت کے کسی اور ذریعے سے طے نہیں کرتے۔ امام خمینیؒ اُن لوگوں کو بے خبر اور خود بین سمجھتے ہیں کہ جو اپنے لئے "اہل اللہ" کا لقب استعمال کرتے ہیں اور ظاہر وباطن شریعت سے بے خبر وجاہل ہیں۔ اسی لئے امامؒ جب علم اخلاق میں لکھی جانے والی کتابوں کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں تو واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

"یہاں تک کہ علمائے اخلاق (جنہوں نے علم اخلاق کی بنیاد رکھی ہے، نیز علم اخلاق کا علمی اور فلسفی تجزیہ کیا ہے) کی علمی تالیفات بھی تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے معاملے میں مکمّل طور پر نہ ہو تو کافی حد تک غیر مؤثر ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب "طہارۃ الاعراق" (13) جو عظیم محقّق ابن مسکویہ (14) کی تالیف ہے یا اخلاق ناصری (15) جو حکیم الٰہی، متبحر فلسفی، افضل المتاخرین نصیر الملۃ والدین خواجہ نصیر الدین طوسی قدس سرّہ (16) کی تالیف ہے، نیز احیاء العلوم (17) جو غزالی (18) کی تالیف ہے۔

ان کتب اور مباحث کو ہم تاریخ اخلاق کہہ سکتے ہیں جو قصص وحکایات اور امثال وواقعات پر مشتمل ہے۔ ان چیزوں کا مطالعہ انسان کو اس کے اصلی ہدف اور مقصد سے ہٹانے کا باعث بنتا ہے۔ غزالی کی کتاب احیاء العلوم کو تمام علما مدح وتحسین کی نظر سے دیکھتے اور یاد کرتے ہیں، نیز اسے علم اخلاق میں حرف اول وآخر سمجھتے ہیں، لیکن میری نظر میں یہ کتاب اخلاق کی اصلاح کرنے، خرابیوں کا خاتمہ کرنے اور باطن کو سنوارنے کے معاملے میں مفید ومددگار نہیں ہے، بلکہ خود ساختہ مباحث کی کثرت، علمی وغیر علمی موضوعات کی زیادتی، نیز سچّے اور جھوٹے نکات کا بے جا نقل کیا جانا انسان کو اس کے اصلی ہدف سے دور رکھتا ہے اور اسے اخلاق کی تطہیر واصلاح سے روکتا ہے۔ (19)

امام خمینیؒ کے اخلاقی مکتب کے بنیادی اصول

امام خمینیؒ کے اخلاقی مسلک ومکتب کے چند اصول ومبانی ہیں کہ یہاں جن میں سے اہم ترین اصولوں کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے:

ا۔ سیر وسلوک اور اخلاق میں اُستاد کی ضرورت

چونکہ امام خمینیؒ مکتب قرآن کے شاگرد ہیں لہٰذا وہ انبیاء ورسل اور اُسوہ، نمونہ عمل کو تہذیب اور تزکیہ نفس میں ضروری سمجھتے ہیں۔ امامؒ کے نزدیک بغیر اُستاد اور رہنما کے سیر وسلوک اور اخلاقی تزکیہ ایک خطرناک کام ہے جس میں انسان سے بہت سی لغزشیں سرزد ہو سکتی ہیں۔ امامؒ قرآن میں حضرت موسیٰ ۔اور حضرت خضر ۔کے واقعے کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بغیر اُستاد ورہنما کے یہ راستہ طے کرنے سے اکثر لوگ گمراہی اور کجروی کا شکار ہوئے ہیں۔ لہٰذا امام اس نکتے پر تاکید کرتے ہوئے راہ عرفان کے سالکین اور تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی ماہر وکامل اُستاد کی اقتداء کریں اور ایک پاکیزہ انسان کے ذریعے قرب الٰہی کی راہیں طے کریں۔ اس سلسلے میں امامؒ فرماتے ہیں:

''جان لو! اس روحانی سفر اور ایمانی معراج کو شکستہ پاؤں اور گسیختہ عنان، اندھی آنکھ اور بے نور قلب کے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا۔ ''ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نورہ'' پس اس روحانی راستے کو طے کرنے اور عرفانی معراج کے عروج تک پہنچنے کے لئے معرفت اور انوار ہدایت کے راستوں کی ہدایت کرنے والوں کے مقام روحانیت سے تمسک کرنا ضروری ہے کہ جو واصلان الی اللہ اور عاکفان علی اللہ ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی انانیت کے قدم اُٹھاتے ہوئے اور ان ہستیوں کی ولایت سے تمسک کئے بغیر یہ راستہ طے کرتا ہے تو اس کا یہ سیر وسلوک شیطان اور جہنم کی طرف ہوگا''۔(20)

قطع این مرحلہ بی ہمراہی خضر مکن
ظلمات است، بترس از اثر گمراہی!

یعنیؒ ''یہ مرحلہ خضر کی ہمراہی کے بغیر طے مت کرو؛ کیونکہ تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں، لہٰذا بھٹک جانے سے ڈرو!''

اسی لئے امامؒ حوزہ علمیہ کے طلاب سے اپنے لئے اُستاد اخلاق کے انتخاب کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اصول وفقہ کے لئے تو اُستاد ضروری ہو، لیکن معنوی اور اخلاقی علوم کے لئے معلم واُستاد کی ضرورت نہ ہو''۔(21)

۲۔ شریعت کی پابندی

انسان اپنی ذہنی اور عملی محدودیت کی وجہ سے اکثر مسائل کے بارے میں وسعت نظر نہیں رکھتا اور میدان عمل میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معنوی اور اخلاقی تزکیہ کے میدان میں بھی بعض لوگ بالکل ظاہریات کے پابند ہو جاتے ہیں اور ظاہری شکل وصورت کو ہی اخلاقیات سمجھتے ہیں جبکہ کچھ لوگ باطنیت کی طرف مائل ہو کر ظاہر شریعت کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ اُمت وسط کے لئے دین اسلام نے اعتدال کا راستہ انتخاب کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ظاہر سے تمسک اور باطن کا اہتمام اس انداز میں کرنا ضروری ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نقصان نہ پہنچے اور رضائے الٰہی کے حصول کا حق بھی ادا ہو جائے۔ چنانچہ امامؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"یہ بات سمجھ لیجئے کہ معارف الٰہی کا کوئی بھی راستہ ظاہر شریعت سے ابتدا کئے بغیر طے نہیں کیا جاسکتا اور جب تک انسان شریعت حقّہ کے آداب کا پابند نہ ہو جائے کسی قسم کا اخلاق حسنہ حقیقت نہیں بن سکتا اور نہ ہی معرفت الٰہی کے نور کا اس کے دل میں جلوہ گر ہونا ممکن ہے اور نہ علم باطن واسرار شریعت کا انکشاف اس کیلئے ہوسکے گا، اگر اس کے دل میں حقیقت منکشف ہو بھی جائے اور انوار معارف ظاہر ہو بھی جائیں تو بھی دل ظاہری آداب سے مزّین ہوگا۔" (22)

اسی طرح ایک اور مقام پر شریعت کی پابندی کے بارے میں امامؒ لکھتے ہیں:

"ہمارے کمزور نفوس کو اس کی طرف بہت توجہ دینی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ایمان کے آثار ظاہر و باطن، خفیہ اور علی الاعلان ہر ایک میں جاری ہو جائیں اور جیسے قلب سے ایمان کا دعویٰ ہے، ظاہر میں بھی اسلامی حکم کو نافذ کرنا چاہئے تاکہ دل کے اندر ایمان کی جڑیں مضبوط و محکم ہو جائیں اور کسی قسم کی رکاوٹ یا حائل کی وجہ سے اس میں تغیّر و تبدّل نہ ہوسکے اور اس الٰہی امانت اور طاہر و ملکوتی دل کو جو فطرت الٰہی سے خمیر ہوا تھا، شیطان کے تصرف اور دست خیانت سے بچا کر ذات مقدس (خدا) کے حوالے کر دیا جائے۔" (23)

۳۔ معنوی مقامات پر اعتقاد

امام خمینیؒ کے نزدیک تہذیب نفس اور اخلاقی و عرفانی ترقی وارتقاء کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ معنوی اور روحانی مقامات کا انکار اور اُن پر عدم اعتقاد ہے۔ چونکہ جب شخص کسی چیز کا منکر ہوتا ہے تو پھر

اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ اس لئے امامؒ کی نظر میں اصلاح نفس اور خود سازی کی سب سے بڑی آفت معنوی کمالات سے بے اعتنائی اور ان پر اعتقاد نہ رکھنا ہے۔ چنانچہ امام چہل حدیث میں لکھتے ہیں:

"روحانی مقامات تک پہنچنے اور حصول کمال کی راہ میں بچھے ہوئے بدترین قسم کے کانٹوں میں سے ایک جو شیطان جیسے رہزن کا ایک بڑا کارنامہ ہے، مقامات ومدارج غیبیہ معنویہ کا انکار ہے اور یہ انکار تمام گمراہیوں اور جہالتوں کا سرمایہ ہے اور ترقیوں کا رک جانا ہے اور یہی انکار، روح شوق کو جو وصول کمالات کیلئے براق ہے، موت میں بدل دیتا اور آتش عشق کو جو رفرفِ معراج کا روحانی کمال ہے، خاموش کر دیتا ہے؛ انسان کو طلب سے روک دیتا ہے۔ (لیکن) اس کے برخلاف اگر انسان مقامات معنویہ اور معارج عرفانیہ سے خالص عقیدت رکھتا ہو اور (ان پر) ایمان لے آئے تو ہو سکتا ہے کہ یہ خود فطری عشق کی آتش کو جو خواہشات نفسانی کے خاک وخاکستر کے نیچے دب گئی ہے، مدد دیدے اور نور اشتیاق کو دل کی گہرائیوں میں روشن کر دے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہو اور جہاد کرے تاکہ ہدایت حق شامل حال ہو اور خدا اس کی دستگیری فرمائے"۔ (24)

تزکیہ اخلاق اور تہذیب نفس کے مراحل

امام خمینیؒ کے نزدیک تہذیب نفس اور اخلاقی سیر وسلوک کے لئے سالک کے لئے کچھ مراحل سے گذرنا ضروری ہے۔ دوسرے علمائے اخلاق وعرفان کے برعکس امام خمینیؒ نے "نفس کے ساتھ جہاد اور مجاہدہ" کے لئے چار مراتب ومراحل کو طے کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ جس کی مختصر وضاحت امام خمینیؒ کے بیانات اور تحریروں کی روشنی میں کچھ یوں ہے:

ا۔ غور وفکر

جان لو! "جہاد نفس" اور حرکت الی اللہ کی پہلی شرط "غور وفکر" ہے۔ یہاں پر غور وفکر سے مراد یہ ہے کہ: انسان ۲۴ گھنٹوں میں چاہے تھوڑی ہی دیر کیلئے ہو، یہ سوچے کہ جس خدا نے اس کو اس دنیا میں پیدا کیا ہے، تمام راحت وآرام کے اسباب اس کیلئے مہیّا کئے ہیں، اس کو صحیح وسالم بدن بخشا ہے، اس بدن کو ایسی طاقتیں مرحمت فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر قوت نفع بخش ہے اور جن سے عقل حیران ہے، اور

اس کیلئے نعمت ورحمت کی بساط بچھائی ہے اور دوسری طرف سے یہ بھی سوچے کہ اسی خدا نے ہم لوگوں کیلئے اتنے انبیاء بھیجے، کتابیں نازل کیں، ہماری ہدایت کا انتظام کیا ہے۔ اس مالک الملوک خدا کے سامنے ہمارا فریضہ کیا ہے؟"۔ (25)

امام خمینیؒ تخلیقِ کائنات کی غرض وغایت اور کائنات کے انجام کے بارے میں غور وفکر کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: "میں امید کرتا ہوں کہ یہ غور وفکر جو شیطان و نفس امارہ سے مقابلے کی خاطر ہے، تمہارے لیے دوسری زندگی پیدا کر دے گا اور اس مقابلے سے تمہیں دوسری منزل کی توفیق نصیب ہو گی"۔ (26)

" جان لو کہ تفکّر کی بہت فضیلت ہے۔ تفکّر ابواب معارف کی کنجی ہے اور کمالات وعلوم کے خزانوں کی کلید ہے۔ سلوک انسانیت کی یقینی اور لازمی تمہید ہے۔ قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کی بھرپور تمجید وتعریف کی گئی ہے۔ غور وفکر نہ کرنے والوں کو جھٹلایا گیا ہے اور ان پر طعنہ زنی کی گئی ہے۔ کافی شریف میں اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق ؑ کا قول منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"أَفْضَلُ العِبادَةِ إدْمانُ التَّفَكُّرِ فِي اللهِ وَفِي قُدْرَتِهِ" (27،28)

یعنی: " اللہ تعالی اور اس کی قدرت کے بارے میں برابر سوچتے رہنا بہترین عبادت ہے۔"

۲۔ عزم

نفس کے خلاف جہاد اور مجاہدے کی دوسری منزل "عزم" ہے جس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امامؒ لکھتے ہیں: انسان مجاہد کیلئے تفکر کے بعد جو دوسری منزل پیش آتی ہے اس کا نام "عزمٔ" ہے۔ لیکن یہ ارادے سے علیحدہ ہے جس کو شیخ الرئیس (بو علی سینا) نے اپنی کتاب "اشارات" میں عارفین کا سب سے پہلا درجہ قرار دیا ہے۔ یہاں پر عزم سے مراد یہ ہے کہ انسان پختہ ارادہ کرلے کہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا اور کسی واجب کو ترک نہیں کرے گا اور زندگی میں جو واجب چھوٹ گیا ہے یا معصیت ہو گئی ہے اس کا ازالہ کرے گا، یعنی اپنی ظاہری حالت وصورت سے اپنے کو ایک ایسا شرعی وعقلی انسان بنالے گا۔ (29)

امام خمینیؒ اپنے اساتیذ اور مشائخ سے نقل کرتے ہوئے عزم کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں : ''ہمارے بعض مشائخ (اطال اللہ عمرہم) نے فرمایا: عزم انسانیت کا جوہر اور انسان کیلئے میزان امتیاز ہے۔ انسان کے درجات کا فرق، عزم کے تفاوت کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے''۔

ایک اور مقام پر عزم کے بارے میں فرماتے ہیں: ''میرے عزیز! اس بات کو سمجھ لو کہ دوسری دنیا کیلئے عزم مصمّم اور طاقتور ارادہ بہت ہی ضروری ولازم ہے۔ بہشت کے اونچے مراتب کا معیار جن کا شمار بہترین بہشتوں میں کیا جاتا ہے وہ انسان کا ارادہ و عزم ہی ہے کہ انسان کے اندر جب تک مضبوط ارادہ اور عزم مصمّم نہ پیدا ہو جائے وہ بہشت اور اس بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتا''۔(30)

امامؒ کے نزدیک یہ عزم اور قوی ارادہ سیر وسلوک اور تہذیب اخلاق میں بہت ہی ضروری ہے چونکہ اگر انسان کا ارادہ کمزور اور عزم ختم ہو چکا ہو تو انسان تہذیب نفس کے پہلے ہی قدم پر شکست کھا جائے گا۔ انسان کے لئے واجبات کو ادا کرنے اور محرمات سے بچنے اور شریعت مقدسہ کی پابندی کرنے کے لئے ایک صاحب عزم وارادہ نفس کی ضرورت ہے۔

امامؒ فرماتے ہیں: '' اے عزیز! اس بات کی کوشش کرو کہ صاحب عزم ومالک ارادہ بن سکو، کیونکہ خدانخواستہ اگر اس دنیا سے بے عزم کوچ کرگئے تو ایک بے مغز ظاہری انسان ہوگے اور اس عالم میں انسانی صورت میں محشور نہیں ہوسکوگے اس لئے کہ وہ عالم کشف باطن اور ظہور سریرہ کی جگہ ہے اور ارتکاب گناہ رفتہ رفتہ انسان کو بے عزم بنادیتا ہے اور عزم جیسے شریف وقیمتی گوہر کو اس سے چھین لیتا ہے''۔(31)

امام خمینیؒ نے تہذیب نفس کے دوسرے مرحلے کو سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۹ سے اخذ کیا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ پیغمبر اکرم ﷺ سے فرماتا ہے:

'' فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ''۔

یعنی: ''پس جب آپ پختہ ارادہ کر چکے تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو، بے شک اللہ (اس پر) بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

۳۔ مشارطہ، مراقبہ اور محاسبہ

غور وفکر اور عزم وارادے کے بعد امام خمینیؒ نفس کے خلاف جہاد اور خودسازی کے لئے مشارطہ، مراقبہ اور محاسبہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں امامؒ لکھتے ہیں: ''مجاہد (نفس) کیلئے جو چیزیں ضروری ہیں

ان میں مشارطہ (عہد)، مراقبہ اور محاسبہ (احتساب نفس) شامل ہیں۔ مشارطہ (عہد) کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً پہلے دن ہی یہ عہد کرلے کہ آج میں خدا کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور اس بات کا عزم محکم کرلے۔ اس کے بعد مراقبے کا مرحلہ آتا ہے۔ اور مراقبے سے مراد یہ ہے کہ عہد کی پوری مدت میں اس پر عمل کی طرف پوری توجہ رکھو اور اپنے کو اس پر عمل کرنے کا پابند سمجھو، اگر خدانخواستہ اس دوران تمہارے دل میں حکم خدا کے خلاف کچھ کرنے کا خیال پیدا ہو تو یقین کرلو کہ یہ شیطان اور اس کے چیلوں کا کام ہے جو تم کو اپنے عہد سے روکنے کی کوشش کررہے ہیں، ان شیطانوں پر لعنت کرو اور ان سے خدا کی پناہ مانگو اور اس باطل خیال کو دل سے نکال دو اور شیطان سے کہو میں نے آج کے دن اپنے آپ سے عہد کرلیا ہے کہ حکم خدا کی خلاف ورزی نہیں کرونگا۔

اسی طرح پورا دن گزار دو یہاں تک کہ رات کا وقت آجائے جو احتساب نفس کا وقت ہے۔ محاسبہ اور احتساب نفس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس سے حساب لو کہ کیا تم نے اپنے خدا کے ساتھ جو عہد کیا تھا اس کو پورا کردیا ہے؟ اس سلسلہ میں اپنے ولی نعمت سے کوئی معمولی سی بھی غداری تو نہیں کی؟"۔ (32)

۴۔ مسلسل یاد اور تذکر

ایک اور چیز کہ جو انسان کو شیطان اور نفس کے خلاف جہاد میں بہت زیادہ مدد دیتی ہے اور ایک سالک الی اللہ اس سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے، وہ "تذکر" ہے۔ امامؒ کے بقول "اللہ تعالیٰ اور اللہ کی طرف سے عطا ہونے والی نعمتوں کی یاد "تذکر ہے۔ (33) چونکہ خدا کی یاد تفکّر کے نتائج میں سے ہے، اس لئے علما نے منزل تفکّر کو منزل تذکّر سے مقدّم جانا ہے۔ جناب خواجہ عبداللہؒ فرماتے ہیں:

"اَلتَّذَکُّرُ فَوقَ التَّفَکُّرِ، فَاِنَّ التَّفَکُّرَ طَلَبٌ وَالتَّذَکُّرَ وُجُودٌ۔۔۔"

یعنی: "تذکّر، تفکّر سے مافوق ہے، اس لئے کہ تفکّر طلب محبوب کا نام ہے اور تذکّر محبوب کی بارگاہ میں حضور کا نام ہے۔۔۔" (34)

امامؒ کے نزدیک غور وفکر ہی سے یاد خدا کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس بارے میں فرماتے ہیں: "جیسے کہ روایات شریفہ میں ہے: "ایک سال، ساٹھ سال اور ستّر سال کی عبادت سے ایک ساعت کا تفکّر بہتر ہے" اور اس کی وجہ (بھی) معلوم ہے، اس لئے کہ عبادات کا اہم ترین ثمرہ حصول معارف و یاد معبود ہے اور یہ خاصیت (صرف) صحیح تفکّر ہی سے بہتر طریقے پر حاصل ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک

ساعت کا تفکّر انسان کیلئے ایسے معارف کے دروازے کھول دے جو ستّر سال کی عبادت سے بھی نہ کھلتے ہوں یا انسان کو محبوب کی ایسی یاد تازہ کرادے جو سالوں کی زحمتوں اور مشقّتوں سے بھی اس مقصد کو حاصل نہ کرسکتا ہو"۔(35)

یاد خدا سے غفلت اور لہو ولعب اور دنیوی خواہشات میں مشغولیت تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے لئے سب سے بڑی آفت ہے اور اُخروی سعادت کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ چیز انسان کو مکمل طور پر حق وحقیقت سے دور کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں امامؒ متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ ساری مصیبتیں اور مشکلات نفس امارہ وشیطان رجیم کے ہاتھوں اس لئے نصیب ہوتی ہیں کہ ہم یاد حق اور اس کے عذاب وعقاب سے غافل ہوتے ہیں۔ حق سے غفلت دل کی کدورتوں کو زیادہ کرتی ہے، نفس اور شیطان کو انسان پر غالب بنادیتی ہے اور مفاسد میں روزافزوں اضافہ کرتی ہے۔"

آگے چل کر ایک اور مقام پر یاد خدا کے فوائد کے بارے میں فرماتے ہیں: "(اس کے برخلاف) خدا کی یاد دل کو جلا دیتی ہے، قلب کو صیقل کرتی اور اس کو جلوہ گاہ محبوب بنا دیتی ہے۔ روح کی تطہیر اور اس کو خالص کر دیتی ہے۔ نفس کے قید سے انسان کو آزاد کرادیتی ہے، حبّ دنیا کو جو تمام غلطیوں کا منشأ اور برائیوں کا سرچشمہ ہے، دل سے باہر نکال دیتی ہے۔

اس لئے اے عزیز! یاد محبوب اور اس کے ذکر کے سلسلے میں چاہے جتنی مشقّتیں برداشت کرو وہ سب کم ہیں۔ دل میں یاد محبوب کی عادت ڈالو، بلکہ خدا چاہے تو قلب کی صورت ذکر حق کی صورت ہو جائے اور کلمہٴ طیبہ { لاالٰہ الاّ اللہ } آخری صورت اور نفس کا انتہائے کمال ہو جائے، کیونکہ سلوک الی اللہ کیلئے اس سے بہتر زاد راہ اور نفس کی برائیوں کیلئے اس سے بہتر مصلح اور معارف الٰہیہ کیلئے اس سے اچھا رہبر نہیں پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر تم صوری ومعنوی کمالات کے طالب ہو، آخرت کے راستے کے سالک اور مہاجر ومسافر الی اللہ ہو تو اپنے قلب کو ذکر محبوب کا عادی بناؤ اور دل کو یاد حق تعالیٰ (کے پانی) سے دھو لو"۔(36)

خلاصہ یہ کہ امام خمینیؒ کا اخلاقی مسلک وہی ائمہ معصومین ÷ کا مسلک ہے جس کا اہم ترین محور قرآن اور اہل بیت اطہار ÷ کی سیرت ہے۔ امامؒ اپنے مسلک اخلاق کی وضاحت کے لئے عرفانی اور اخلاقی اصطلاحات پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ انہی اصطلاحات کو وسیلہ بنا کر قرآن اور حاملین قرآن کی تعلیمات

کے ذریعے قرب الٰہی کی منازل طے کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ جس کی سب سے بڑی خوبی خشک و تھکا دینے والی رہبانیت نہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ عالم مادہ سے عالم معنویت کی طرف سفر کرنا ہے۔ امام خمینیؒ کے مسلک اخلاق میں مزید جستجو کی جائے تو اخلاص اور انسانوں سے محبت بھی سیر و سلوک کی اہم ترین عنصر کے طور پر نظر آتے ہیں۔ جس کی وضاحت کے لئے ایک الگ مقالے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات اور توضیحات

1۔ صدر، سید حسن، تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، ص ۴۰۴۔

2۔ کلینیؒ اپنے زمانے کے عظیم عالم تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے زمانہ غیبت صغریٰ میں، بیس سال کے عرصے میں اہل بیت اطہارؑ کی احادیث جمع کرکے، "کافی" جیسی گراں قدر کتاب تالیف کی ہے۔ ان کی ایک دوسری تالیف بھی ہے کہ جس میں آئمہ اثنا عشرؑ کے مختلف رسائل جمع کیئے ہیں۔ ان کا نام محمد، کنیت ابو جعفر ہے اور ان کے والد کا نام یعقوب تھا، وہ کلین کے رہنے والے تھے جو تہران کے گردونواح میں واقع ہے۔ کلینیؒ بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں ان کی قبر مشہور ہے۔

3۔ وہ بزرگ اہل سنت علما میں سے تھے۔ صاحب بن عباد ان سے ملنے کے متمنی تھے انہوں نے گراں بہا تالیفات چھوڑی ہیں وہ جمعرات ۱۶ شوال ۲۹۳ھ میں متولد اور جمعہ ۷ ذی الحجہ ۳۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ عسگری، عسگر مکرم سے منسوب ہے کہ جو خوزستان میں واقع ہے (وفیات الاعیان)۔

4۔ اصبغ بن نباتہ مجاشعی، امیر المؤمنین علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ انکا شمار جنگ صفین میں امامؑ کے سپہ سالاروں میں ہوتا تھا۔ وہ تادم مرگ امامؑ کی بیعت میں رہے۔ وہ عہد نامہ مالک اشتر کے راوی بھی ہیں۔

5۔ صدر، سید حسن، تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، ص ۴۰۴۔

6۔ یہ فلسفی و دانشور، احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ رازی ہیں۔ علم اخلاق میں ان کی دوسری کتاب کا نام — "آداب العرب و الفرس" ہے۔ ان کی ایک اور فلسفی کتاب فارسی میں ہے، جس کا نام "جاویدانِ خِرَد" ہے جو تقریباً ۵ ھزار سطر پر مشتمل ہے۔ ان کی ایک کتاب تاریخ میں بنامِ "تجارب الامم" ہے۔ وہ عضد الدولہ دیلمی کے دربار میں بلند منصب پر فائز تھے۔ اور اس کی جانب سے بطور سفیر سلاطین کے پاس جاتے تھے۔ ان کا مذہب کاملاً روشن نہیں لیکن مشہور ہے کہ میر داماد انھیں شیعہ جانتے تھے اور جب بھی اصفہان میں ان کی قبر کے پاس سے گزرتے تو وہاں کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے۔

7۔ رضا صدر، استقامت، مقدمہ، ص ۱۰۔
8۔ مطہری، مرتضیٰ، آشنائی باعلوم اسلامی ج ۴، ص ۲۹۔
9۔ فروغی، محمد علی، سیر حکمت در اروپا، انتشارات زوار، تہران، ص ۱۸؛ بحوالہ پژوہشہای قرآنی، شمارہ: ۲۰، ۱۹۔
10۔ مجلّہ حوزہ، شمارہ ۱۰، ص ۸۹۔
11۔ امام خمینیؒ، شرح چہل حدیث (فارسی)، ص ۵۱۱۔
12۔ اسلامی، سید حسن، امام خمینی اور اخلاق وسیاست، ص ۱۵
13۔ طہارۃ الاعراق فی تحصیل الاخلاق علم اخلاق پر ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اس کے مصنف عالم ربانی، ابو علی ابن مسکویہ رازی، متوفی ۴۲۱ ہجری ہیں۔ یہ کتاب تہذیب الاخلاق اور طہارۃ النفس کے نام سے بھی موسوم ہے۔ یہ ایران، مصر اور لبنان سے بھی کئی بار چھپ چکی ہے۔ (دیکھئے الذریعہ، ج ۱۵، ص ۱۸۸)۔
14۔ احمد بن محمد بن یعقوب خازنؒ، جن کی کنیت ابو علی ہے اور وہ ابن مسکویہ کے نام سے مشہور ہیں، شہر رے میں پیدا ہوئے۔ زندگی کے آخری ایام تک اصفہان میں رہے۔ ان کا شمار نامی علما وفلاسفہ میں ہوتا ہے۔ وہ شیخ الرئیس ابو علی سینا کے معاصر تھے اور عضد الدولہ کے خواص میں شامل تھے۔ فلسفہ، اخلاق اور تاریخ میں ان کی کئی تالیفات ہیں جن میں طہارۃ الاعراق سب سے زیادہ معروف ہے۔ (دیکھئے الکنیٰ والالقاب، تالیف شیخ عباس قمی، ج ۱، ص ۳۲۵)۔
15۔ اخلاق ناصری، علم اخلاق کی فارسی کتاب ہے۔ اس کے مؤلف محقّق وفلسفی، خواجہ نصیر الدین طوسیؒ، متوفی ۶۷۲ ہجری ہیں۔ یہ کتاب گویا ابن مسکویہ کی کتاب طہارۃ الاعراق کی شرح ہے۔ البتہ اس میں دو مقالات کا اضافہ ہوا ہے جن کے نام "تدبیر منزل" اور "سیاست مدن" ہیں۔ محقّق طوسی نے یہ کتاب امیر ناصر الدین عبدالرحیم کے نام زندان قہستان میں لکھی۔ یہ کتاب تین ابواب اور تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ (دیکھئے الذریعہ، ج ۱، ص ۳۸۰)۔
16۔ محمد بن محمد بن حسن المعروف "خواجہ نصیر الدین طوسیؒ" علم وحکمت اور ریاضی کے جیّد عالم تھے۔ بہت سے علما اور بزرگان دین نے ان کی تعریف کی ہے۔ وہ گیارہ جمادی الثانی ۵۹۷ھ کو طوس میں پیدا ہوئے اور بروز عید غدیر ۶۷۲ کو ان کی وفات ہوئی اور کاظمین میں دفن ہوئے۔ مختلف علوم وفنون، مثلاً فلسفہ، کلام، ریاضیات، علم ہیئت، نجوم اور اخلاق وغیرہ میں ان کی بے شمار تالیفات ہیں جن میں سب سے معروف، شرح الاشارات، تجرید الاعتقاد، تحریر اقلیدس، اخلاق ناصری اور اوصاف الاشراف ہیں۔ (دیکھئے الکنیٰ والالقات، ج ۳ ص ۲۵۱)۔
17۔ احیاء علوم الدین، اخلاق اسلامی کے موضوع پر شیخ ابو حامد محمد غزالیؒ کی کتاب ہے۔ وہ ۴۵۰ ہجری میں متولد ہوئے اور ۵۰۵ یا ۵۰۷ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ یہ کتاب علم اخلاق کی عظیم ترین اور تفصیلی ترین کتابوں میں سے ایک ہے یہاں

تک کہ اس کے بعد لکھی جانے والی بہت ساری کتابوں میں اس کتاب کی خوشہ چینی کی گئی ہے۔ احیاء العلوم کئی بار چھپ چکی ہے۔ (دیکھئے محمد علی خیابانی کی ریحانۃ الادب، ج ۴ ص ۲۳۷)۔

18۔ ابو حامد محمد بن محمد بن احمد المعروف "حجۃ الاسلام غزالیؒ" عظیم شافعی عالم تھے۔ وہ ۴۵۰ میں طوس کے گاؤں غزالہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۵۰۵ یا ۵۰۷ میں وفات پائی۔ ۴۸۴ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد کے مدرس مقرر ہوئے۔ ان کی تالیفات بہت زیادہ ہیں جن میں سے اکثر ان کی اپنی فکری تخلیق ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور علم اخلاق میں، احیاء العلوم، اور شافعی فقہ میں، الوجیز، ہیں۔ (ریحانۃ الادب، ج ۴ ص ۲۳۷)۔

19۔ امام خمینیؒ، شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص ۷۔

20۔ امام خمینی، آداب الصلوۃ، ص ۱۳۵

21۔ مختاری، رضا سیمای فرزانگان، ص ۷۴۔

22۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۸۔

23۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۵۳۶۔

24۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۵۰۷۔

25۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۶۔

26۔ (ایضاً)

27۔ کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۵۵، کتاب ایمان و کفر، باب تفکر، حدیث ۳۔

28۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۱۹۱

29۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۷۔

30۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۱۲۵۔

31۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۸۔

32۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۹۔

33۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۱۰۔

34۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۲۹۱۔

35۔ امام خمینی، چہل حدیث، ص ۳۵۰۔

36۔ ایضاً، ص ۳۵۱۔

منابع ومآخذ

(اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل اہم منابع سے استفادہ کیا گیا ہے)

۱۔ امام خمینی۔ چہل حدیث۔ (فارسی اور اُردو)

۲۔ امام خمینیؒ، شرح حدیث جنود عقل وجہل (فارسی واُردو)

۳۔ آیت اللہ رضا صدرؒ، استقامت (اُردو)

۴۔ آیت اللہ مرتضیٰ مطہری، آشناہی باعلوم اسلامی

۵۔ مجلّہ پژوھشھای قرآنی، ، دفتر تبلیغات قم، شمارہ :۲۰،۱۹۔

۶۔ مجلّہ حوزہ، شمارہ۱۰، دفتر تبلیغات قم۔

۷۔ رضا مختاری، سیمای فرزانگان، دفتر تبلیغات قم۔

۸۔ اسلامی، سید حسن، امام خمینی اور اخلاق وسیاست، مؤسسہ تنظیم نشر آثار امام خمینی، تہران۔

۹۔ صدر، سید حسن، تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، قم

*****

عصمت خاتم الانبیاءؐ

سید ثاقب اکبر*

نبوت کی ضرورت اور حکمت کو سامنے رکھتے ہوئے نبوت عامہ کے لیے عصمت کے دلائل بدرجۂ اتم رسول اکرم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتے ہیں۔ہم یہاں پر قرآن حکیم کی اس آیہ مجیدہ کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا" (1)

یعنی: "اے ایمان والو اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمھارے لیے فرقان قرار دے دے گا۔"

"فرقان" حق و باطل میں فرق اور تمیز کرنے کو کہتے ہیں۔جب عام مومنین کو تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے تو مومنوں اور متقیوں کے امام الائمہ اور سید المرسلینؐ کے لیے درجۂ فرقان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ایک عام مومن کو بھی مقام فرقان حاصل ہو جائے تو اُس سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ حق کا راستہ ترک کرکے جان بوجھ کر باطل کا راستہ اختیار کرے گا چہ جائے کہ سید الانبیاءؐ۔

رسول اکرم ﷺ کی عصمت پر دلالت کرنے والی چند آیات

قرآن حکیم میں بہت سی ایسی آیات ہیں جو آنحضرتؐ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ان میں ایسی آیات بھی شامل ہیں جو آپؐ کی بلااستثناء اور مطلق اطاعت کا حکم دیتی ہیں۔

---

*۔ محقق، دانشور، شاعر، صدر نشین، البصیرہ، اسلام آباد

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ" (2)

یعنی: "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اپنے میں سے اولوالامر کی، پس اگر کسی شے میں تمھارے درمیان تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹا دو۔"

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (3)

یعنی: "جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

اس کے علاوہ دیکھیے سورہ تغابن آیت ۱۲۔ سورہ آل عمران ۱۳۲، نساء ۶۹، عمران ۳۲، وغیرہ ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ اکرم کی اطاعت مطلق ہے، یہاں تک کہ رسولؐ ہی کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے نیز یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں اہل ایمان میں کوئی تنازع یا اختلاف پیدا ہو جائے تو اس میں بھی آخری فیصلہ رسولؐ ہی کا قرار پائے گا۔ یہ آیات اس لحاظ سے آنحضرتؐ کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر فرض کیا جائے کہ (معاذ اللہ) آپؐ سے خلاف عصمت کوئی کام سرزد ہو سکتا ہو تو پھر اس میں بھی آپؐ کی پیروی اور اطاعت کا حکم منجانب اللہ فرض کیا جائے گا جبکہ ایسا ممکن نہیں کہ اللہ کی طرف سے معصیت میں کسی بھی شخص کی اطاعت کا حکم دیا جائے۔

بعض آیات میں "ط و ع" کے بجائے "ت ب ع" کا مادہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بھی پیروی ہی کا مفہوم دیتا ہے مثلاً:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (4)

یعنی: "کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔"

اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کی مطلق اتباع کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اللہ سے محبت کا دعویٰ اس وقت تک درست ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کوئی شخص آنحضرتؐ کی اتباع نہ کرے اور اگر کوئی شخص مطلق طور پر آپؐ کی اتباع کا راستہ اختیار کرلے تو وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔ گویا محبوب پروردگار بننے کے لیے آنحضرتؐ کی مطلق

اطاعت ضروری قرار دی گئی ہے اور یہ امر واضح ہے کہ کوئی شخص بھی معصیت کا راستہ اختیار کرکے محبوب پروردگار نہیں بن سکتا۔

رسول اکرمؐ تمام انبیاء پر گواہ ہیں

قرآن حکیم میں آنحضرتؐ کو تمام انبیاء پر گواہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

"فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" (5)

یعنی: "پس اُس وقت کیسا ہوگا جب ہر امت میں سے ہم گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب گواہوں پر بطور گواہ لے کر آئیں گے۔"

ہم جانتے ہیں کہ ایک عام گواہ کے لیے بھی عدالت شرط ہے۔ اس آیت میں رسول گرامی اسلامؐ کو تمام انبیاء پر روز قیامت گواہ کے طور پر پیش کیے جانے کی خبر دی جارہی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں اور معصوموں کے اوپر جو ہستی گواہ ہو اُسے ہر لحاظ سے اکمل ہونا چاہیے۔ اس کی وضاحت استاد جوادی آملی نے بہت خوبصورتی سے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آنگاہ او باید معصومانہ برھمۂ جزئیاتی کہ در جہان امکان، در حیطۂ انسانیت می گذرد و مربوط بہ ھمۂ امم ھست، شھادت بدھد، ھمۂ رسالتھا، خلافتھا، نبوتھا و ولایتھا زیر پوشش شھادت شھید الشھدا است کہ وجود مبارک انسان کامل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است و در حیطۂ این شھادت مطلقہ نہ جھل را راھی است و نہ در حرم امن این شھادت بیکران سھو و نسیان را منزلگاھی! زیرا او مظہر "اللہ" و اسماء حسنای اوست۔" (6)

یعنی: "ایسے میں ضروری ہے کہ آپ جہانِ امکان کی ان تمام جزئیات کی معصومانہ گواہی دیں جو انسانیت کے حیطے اور دائرے میں آتی ہیں اور تمام امتوں سے مربوط ہیں۔ تمام رسالتیں، تمام خلافتیں، نبوتیں اور ولایتیں شہید الشہدا کی شہادت کے ماتحت ہیں کہ جو انسان کامل یعنی رسول اکرم ﷺ کا وجود مبارک ہے۔ شہادت مطلقہ کے اس دائرے میں جہل کے لیے راستہ ہے اور نہ

اس بے کراں شہادت کے حرمِ امن میں سہو و نسیان کے لیے کوئی مقام ہے کیونکہ وہ اللہ اور اُس کے اسمائے حُسنیٰ کا مظہر ہے۔"

زیر نظر آیہ مجیدہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ان احادیث مبارکہ کو بھی پیش نظر رکھنا مفید ہے۔

i۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

"اول ماخلق اللہ نوری"

یعنی: "اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق فرمایا۔"

معروف مفسر علی بن ابراہیم قمی اس حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"المؤید بقولہ تعالیٰ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ فھذہ الآیۃ تدل علی ان محمداً (ص) اول الکل وجوداً وان کان خاتم الرسل زماناً۔" (7)

یعنی: "اس حدیث کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: "کہیے اگر رحمان کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والوں میں سے ہوتا۔" پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محمد ﷺ وجود کے اعتبار سے سب سے پہلے ہیں اگرچہ آپ زمانے کے اعتبار سے خاتم الرسل ہیں۔"

ii۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"کنت نبیّا وآدم بین الماء والطین" (8)

یعنی: "میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھا۔"

اپنی امت پر گواہ

جہاں قرآن حکیم نے آنحضرتؐ کو دیگر امتوں کے نبیوں پر گواہ قرار دیا ہے وہاں اپنی امت پر بھی گواہ قرار دیا ہے جیسے کہ دیگر نبی اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

"وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا" (9)

یعنی: "اس طرح ہم نے تمھیں امت وسط قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور پیغمبر تم پر گواہ ہوں۔"

یہ آیت بھی آنحضرتؐ کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ آپؐ کی امت میں اعلیٰ سے اعلیٰ شخصیتیں موجود ہیں۔ ایسی عظیم ہستیوں کی اس امت میں کمی نہیں جو عدالت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ ظاہر ہے آنحضرتؐ کی عدالت کا درجہ ان سب سے مافوق ہے اور عصمت در حقیقت عدالت ہی کے بلند ترین درجے کا دوسرا نام ہے۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ

آنحضرتؐ کی ساری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بہترین اور خوبصورت نمونہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد پروردگار ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (10)

یاد رہے کہ "حسن" کے مقابلے میں "قبح" ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کی ساری زندگی میں ہمارے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ انسان کی زندگی میں معنوی اور باطنی حسن پیدا کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کا راستہ "قبح" کے وجود میں آنے کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیہ مجیدہ آنحضرتؐ کی عصمتِ مطلقہ پر دلالت کرتی ہے۔

رسول اللہؐ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے

آنحضرتؐ جب اہل ایمان سے بیعت لیتے تھے تو آپ کا ہاتھ اوپر ہوتا تھا اور نیچے بیعت کرنے والے کا ہاتھ ہوتا تھا۔ آپؐ کے اس طرح سے بیعت لینے پر آپؐ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ" (11)

یعنی: "جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں اُن کے ہاتھوں کے اوپر (دراصل) اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔"

اس آیت سے آنحضرتؐ کا وجود مظہر الٰہی قرار پاتا ہے۔ اس طرح سے واضح طور پر یہ آیت آنحضرتؐ کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

آنحضور ﷺ صراط مستقیم پر ہیں

سورہ یٰس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"یٰسٓO وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِO اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَO عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" (12)

یعنی: "یٰس قرآن حکیم کی قسم ہے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں۔"

یہاں پر اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی قسم کھا کر آپؐ کے صراط مستقیم پر ہونے کی شہادت دے رہا ہے اور یہ شہادت بغیر کسی قید و شرط کے مطلق طور پر دی جارہی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں بھی قرآن حکیم میں ایک مقام پر یہی بات اپنے پیغمبر حضرت ہودؑ کی زبانی بیان فرماتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

"اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" (13)

یعنی: "(حضرت ھودؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں) یقیناً میرا بھروسا اس اللہ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے، چلنے پھرنے والی کوئی چیز ایسی نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ نے اسے پکڑ رکھا ہے۔ یقیناً میرا پروردگار صراط مستقیم پر ہے۔"

صراط مستقیم پر ہونے کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو شخص صراط مستقیم پر ہے اس کے ہاں کجی، ٹیڑھ پن اور انحراف کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ انحراف صراط مستقیم پر ہونے کے منافی ہے۔ گناہ اور اللہ کی نافرمانی دراصل صراط مستقیم سے انحراف ہی ہے۔ لہٰذا جس ہستی کے بارے میں اللہ یہ فرمادے کہ وہ صراط مستقیم پر ہے اس کی زندگی میں راہ حق سے انحراف یا اللہ کی نافرمانی کی کامل طور پر نفی ہو جاتی ہے۔ اللہ کے صراط مستقیم پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے سارے نظام خلق و امر میں کہیں کوئی کجی اور خرابی نہیں ہے۔ اُس کا سارا نظام عدل پر کارفرما ہے۔

انبیاء کے بارے میں اس کا انتخاب بھی اسی نظام عدل کے ماتحت ہے۔ اُس نے کسی ایسے شخص کو اپنی نمائندگی نہیں سونپی جو اللہ کے بندوں کو صراط مستقیم سے بھٹکا دے اور انھیں انحراف کے راستے پر لے جائے۔ اللہ کے یہ بندے جنھیں اس کا نبی ہونے کا شرف حاصل ہے ان کا کام عدل کے راستے پر اللہ کے بندوں کی راہنمائی کرنا ہے۔ اُن کی راہنمائی چاہے قولی ہو اور چاہے عملی اس میں انحراف اور کجی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان آیات کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ کا وجود مسعود دراصل آئینہ خدانما اور مظہر حق ہے۔ تاہم استاد جوادی آملی کے بقول اللہ کا صراط مستقیم پر ہونا بالذات اور اس کے رسول کا صراط مستقیم پر ہونا بالعرض ہے۔ اللہ ظاہر ہے اور آنحضرت اس کا مظہر ہیں۔ (14)

آنحضرتؐ کی عصمت کے مختلف پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے بارے میں بعض سوالات یا اشتباہات کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم یہ وضاحت کر دیں کہ انبیاء کی عصمت کے متعدد پہلو ہیں:

۱۔ وحی کے ذریعے صحیح طور پر علوم و معارف کا حاصل اور اخذ کرنا۔

۲۔ نبی جو کچھ وحی کے ذریعے سے حاصل کرے اسے یاد رکھے اور فراموش نہ کرے۔

۳۔ جو کچھ وحی کی صورت میں حاصل کرے اسے بلا کم وکاست پہنچا دے۔

جب ہم ان تینوں پہلوئوں کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کا جائزہ لیتے ہیں تو قرآن حکیم میں ہر پہلو سے واضح طور پر آیات موجود پاتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہی حوالوں سے چند آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

صحیح طور پر علوم و معارف کا حاصل کرنا:

قرآن حکیم کی متعدد آیات اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے وحی کی صورت میں پروردگار سے جو علوم و معارف حاصل کیے اس میں ذرہ بھر غلطی اور اشتباہ کا امکان نہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

"مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى" (15)

یعنی: "جسے انھوں نے دیکھا اس کے بارے میں ان کے دل نے دھوکا نہیں کھایا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بغیر کسی خطا یا اشتباہ سے پروردگار سے معارف اخذ کیے۔ اسی سورۃ کی ایک اور آیت بھی اس حوالے سے ہماری مدد کرتی ہے:

"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى" (16)

یعنی: " نہ نظر چوکی اور نہ آگے بڑھی۔"

اس آیت کی دلالت کے لیے بھی مندرجہ بالا آیت کے مفہوم کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے حقائق کو دیکھنے، سمجھنے، حاصل کرنے اور بیان کرنے میں کسی قسم کی کوئی خطا یا لغزش نہیں کی۔قرآن حکیم کے بلند مرتبہ حقائق جو آنحضرتؐ پر نازل ہوئے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍO مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍO بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍO کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ" (17)

یعنی: " وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو بہت عزت دار ہیں، بلند درجے کے پاک و پاکیزہ ہیں جنھیں عزت دار اور نیک کردار ہاتھوں نے لکھا ہے۔"

یہ بلند مرتبہ حقائق آنحضرتؐ پر نازل ہوئے اور آپؐ نے انھیں اخذ کرنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ گویا اس پہلو سے آپؐ معصوم ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے سہو ونسیان کی نفی:

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں آنحضرتؐ سے سہو ونسیان کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

" سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰۤی " (18)

یعنی: " ہم آپ کو پڑھا دیں گے پس آپ بھولیں گے نہیں۔"

سہو ونسیان کی ایک وجہ انسان کا غافل ہو جانا بھی ہے۔ یہ غفلت خاص طور پر دلوں کی غفلت سے عبارت ہے جب کہ آنحضرتؐ تو اپنے بارے میں یہاں تک ارشاد فرماتے ہیں:

"تنام عیناي ولاینام قلبی " (19)

یعنی: " میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔"

جس ہستی کا سوتے ہوئے دل جاگتا رہے اس کے بارے میں سہو ونسیان کا امکان ہر گز درست نہیں ہو سکتا۔ سہو ونسیان کی تو فرشتوں سے بھی نفی کی گئی ہے چہ جائیکہ مسجود الملائکہ جس کا سب سے اہم اور

افضل مصداق سید المرسلینؐ کی ذات گرامی صفات ہے۔ حضرت علیؑ فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"لایغشاھم نومُ العیون ولا سھوُالعقول ولافترۃُ الابدان ولاغفلۃ النسیان" (20)

یعنی: "فرشتوں کی نہ آنکھیں سوتی ہیں نہ اُن کی عقلیں خطا کرتی ہیں نہ اُن کے بدن خستگی کا شکار ہوتے ہیں اور نہ انھیں نسیان کی غفلت لاحق ہوتی ہے۔"

بلا کم وکاست پہنچانا:

آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ علوم و معارف حاصل کیے انھیں یاد رکھا اور پھر انھیں بلا کم وکاست بندگان خدا تک پہنچادیا جیسا کہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

"وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی O اِنْ ھُوَاِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی" (21)

یعنی: "آپ اپنی ہوائے نفس سے کلام نہیں کرتے بلکہ آپ جو کچھ کہتے ہیں سب اللہ کی طرف سے آپ پر وحی کیا گیا ہوتا ہے۔"

خود اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمادیا تھا کہ ان پر جو کچھ وحی کی جائے گی اُسے خود آپؐ ہی کے توسط سے بندوں تک پہنچانا اللہ ہی کے ذمے ہے۔ جیسا کہ سورۃ قیامت کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے:

"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ" (22)

یعنی: "بلاشبہ ہمارے ذمہ ہے اسے جمع کرنا اور اسے پڑھوانا۔"

تتمہ کلام

بعض لوگ قرآن حکیم کی بعض آیات سے آپؐ کی عصمت کے حوالے سے اشتباہ کا شکار ہو جاتے ہیں ہم ان تمام آیات کا الگ الگ سے جائزہ لے کر یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ کوئی آیت بھی آنحضرتؐ سے خلاف عصمت کوئی امر صادر ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ اس مرحلے پر ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایسی آیات کو سمجھنے سے پہلے مندرجہ بالا مطالب کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ محکم عقلی و نقلی دلائل آنحضرتؐ کے مقام

عصمت کبریٰ پر فائز ہونے کی حکایت کرتے ہیں لہٰذا دیگر تمام آیات کے مفہوم کا تعین کرنے سے پہلے ان دلائل کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

*****

مصادر و حواشی

1۔ ۸۔انفال: ۲۶

2۔ ۴۔نساء: ۵۹

3۔ ۴۔نساء: ۸۰

4۔ ۳۔آل عمران: ۳۱

5۔ ۴۔نساء: ۴۱

6۔جوادی، عبداللہ، آملی: تفسیر موضوعی قرآن مجید، سیرت علمی و عملی حضرت رسول اکرمؐ (قم، مرکز نشر اسراء، ۱۳۷۴ش ھ) ج۹، ص۲۸

7۔ (۴۳زخرف: ۸۱)، تفسیر قمی، ج۱، ص۱۷

8 ۔ان دونوں احادیث کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن عربی ج۱، ص۴۱۸، سورہ کہف کی آیت ۸و۹ کی تفسیر کے ذیل میں۔ پہلی حدیث کے لیے دیکھیے: حلبی، سیرۃ حلبیہ، ج۱، ص ۲۴۰۔ نیز قندوزی، ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۲۱۴۔ بحار الانوار، ج۱، ص ۹۷، کتاب العقل، باب ۲، ح۷، ابن ابی جمہور، عوالی اللئالی، ج ۴، ص۹۹، ح ۱۴۰۔ دوسری حدیث کے لیے دیکھیے: ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص ۱۸۳، فصل فی اللطائف۔الایجی، المواقف، ج ۳، ص ۳۴۰۔امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، جلد ۶، ص ۲۱۳، ذیل آیت تلک الرسل۔ابی حیان اندلسی، تفسیر البحر المحیط، ج ۴، ص ۲۶۳۔آلوسی، تفسیر الآلوسی، ج ۷ ، ص ۱۴۰۔ قندوزی، ینابیع المودۃ، ج۱، ص ۴۶۔ فیض کاشانی، تفسیر صافی، ج۵، ص ۳۷۔ابن ابی جمہور، عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۲۱، ح ۲۰۰۔ یہ حدیث مسند احمد کے علاوہ مستدرک حاکم نیشاپوری میں بھی روایت ہوئی ہے۔امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اپنے انتخاب میں اسے باقی رکھا ہے۔ مسند احمد وغیرہ کی عبارت یوں ہے کہ راوی کہتا ہے:

قلت: یا رسول اللہ متی کنت نبیاً،

قال: کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد

امام ترمذی نے اسے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی عبارت کچھ یوں ہے:

قالو: یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوۃ؟

قال: و آدم بین الروح والجسد

9۔ ۲۔ بقرہ: ۱۴۳

10۔۔ احزاب: ۲۱

11۔ ۴۸۔ فتح: ۱۰

12۔ یٰسٓ: ۱تا۴

13۔ ۱۱۔ ھود: ۵۶

14۔ جوادی، عبداللہ، آملی: تفسیر موضوعی قرآن مجید، سیرت علمی و عملی حضرت رسول اکرمؐ (قم، مرکز نشر اسراء، ۱۳۷۴ش ھ) ج۹، ص۵۱

15۔ نجم: ۱۱

16۔ ۵۳ نجم: ۱۷

17۔ ۸۰ عبس: ۱۳تا۱۵

18۔ ۸۷۔ اعلیٰ: ۶

19۔ نہج الفصاحہ، شمارہ ۱۱۸۰

20۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱

21۔ ۵۳۔ نجم: ۳و۴

22۔ ۷۵۔ قیامۃ:

سہ ماہی **نورِ معرفت**

ممبر شپ فارم

نام:______________ تعلیم:______________

پیشہ:______________ فون نمبر:______________

پتہ:______________

____

E-mail:______________

براہ کرم سال______کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کر دیجئے۔ شکریہ دستخط خریدار:______

دفتری استعمال کے لئے

برادر/خواہر______کی ممبر شپ برائے سال______کی درخواست منظور کرتے ہوئے رجسٹریشن نمبر جاری کر دیا گیا ہے متعلقہ ممبر کو مجلّہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

رجسٹریشن نمبر:______ تاریخ اجراء:______ ممبر ساز:______

نوٹ: مجلّہ کا 2015ء کے لئے زرِ سالانہ مبلغ:/500 روپے اور فی شمارہ:/130 روپے ہے۔

خط وکتابت کا پتہ:

سہ ماہی نور معرفت/نوری الہدیٰ مرکز تحقیقات/نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی/بارہ کہو اسلام آباد/فون: 051-2231937

www.nht.org.pk, www.nmt.org.pk

E-mail:noor.marfat@gmail.com

Religious Research Journal

Quarterly

Noor-e-Marfat

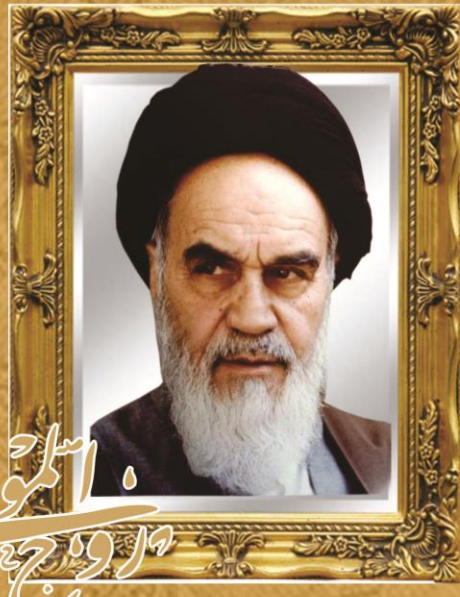

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)

نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) سادات کالونی بارہ کہو، اسلام آباد

051-2231937 WWW.NOOREMARFAT.COM